ماهنامہ

حیاتِ نو

بلریاگنج

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انجمن طلبۂ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

ماہنامہ مجلہ حیاتِ نو بلریا گنج

جلد ۱۳ | ذیقعدہ ذوالحجہ ۱۴۱۶ھ اپریل ۱۹۹۶ء | شمارہ ۴

مدیر مسئول
نورمحمد فلاحی

معاون
انیس احمد فلاحی

بدل اشتراک

سالانہ زرتعاون ۵۰/- روپے
طلبہ کے لئے ۳۰/- روپے
خصوصی زرتعاون ۱۰۰/- روپے
اعزازی زرتعاون ۱۰۰۰/- روپے
غیر ممالک سے زرتعاون ۲۵ امریکی ڈالر
قیمت فی شمارہ ۵/- روپے

○ اس دائرہ میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ آپ کی مدت خریداری ختم ہوچکی ہے لہٰذا جلد سالانہ زرتعاون ارسال فرمائیں۔

مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

ترسیل زر کا پتہ
دفتر ماہنامہ مجلہ "حیاتِ نو" جامعۃ الفلاح بلریا گنج اعظم گڑھ
فون: ۲۵۱۵ ۲۶۱۶۱

کتابت:۔ محمد اشفاق عالم فلاحی

نقوش حیاتِ نو

		صفحہ
اداریہ		
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے	انیس احمد فلاحی مدنی	٣
درسِ قرآن		
حقیقی مومن کے اوصاف	حافظ احسان الحق فلاحی	٦
ہدایت کے چراغ		
حضرت عامر بن عبداللہ تمیمی عنبریؒ	ابوجلیس ندوی	١٠
بحث و نظر		
اسلامک فقہ اکیڈمی کے نویں فقہی سمینار میں منظور شدہ فقہی قرار دادیں		٢٢
مقالات		
یہودیت	انیس احمد فلاحی	٢٧
استشراق ایک مختصر تعارف	ابوارقم فلاحی	٣٩
شعر و نغمہ		
نعت پاک	منورؔ	٥
غزلیں	راز، محشرؔ	٩، ٣٨
جامعہ کے لیل و نہار		
نئے داخلے، نئی تقرریاں، مکتبۃ الصدیق کی سن تاسیس۔ ٩٦-٩٧ء سیشن کے ممتاز طلبہ	ادارہ	٤٣
رودادِ انجمن		
علیگڑھ یونٹ	محمد فیاض خاں فلاحی	٤٨

اداریہ

"یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے"

انیس احمد فلاحی

قربانی کی سنت کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے دوامی سنت بنایا تاکہ ہم سال بہ سال، راہِ حق میں ابراہیم علیہ السلام کی جاں نثاری کے اس عظیم الشان واقعہ کی یاد تازہ کرکے اپنے دلوں میں ایمان و یقین کا وہ ولولہ پیدا کر سکیں جو رضائے الٰہی کے آگے جان و مال کی ہر قربانی پیش کرنے کا شوق و جذبہ باقی و برقرار رکھے۔

قربانی کا یہ جذبہ ہی کسی قوم کی سرفرازی و سربلندی کا ضامن ہوتا ہے، تاریخ شاہد ہے کہ جب تک یہ جذبہ اپنی سچی روحِ ایمان کے ساتھ امت میں باقی رہا وہ تاریخ کے ہر دور میں سربلندیوں اور سرفرازیوں کی حوصلہ افزا داستان مرتب کرتی رہی اور ایوانِ تاریخ میں تخت و تاج کی مالک بنی رہی۔

اس میں شک نہیں کہ ہم آج بھی قربانی کی یہ سنت ادا کرتے ہیں لیکن اب اس کی ادائیگی ابراہیمؑ کی سنت کی حیثیت سے نہیں بلکہ عید کی رسم کے طور پر کرتے ہیں، اس لئے جو روح اور جذبہ اس کے پیچھے کارفرما ہوتا تھا وہ اب باقی نہیں رہا ـــــ ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ امت کے سروں سے ذلت و نکبت کے سائے گذر جاتے اور شہنشاہوں کے گریبانوں سے کھیلنے والے آج خود اپنے گریبانوں سے کھیلنے لگ جاتے۔

دیکھئے تاریخ کا داستاں سرا بتاتا ہے کہ قربانی کی روح اور اس کا صحیح جذبہ جب اس امت میں زندہ تھا تو سندھ میں ایک عورت نے

اپنی آبرو سے کھیلنے والے کے خلاف وا حجاج وا حجاج کی پکار لگا کر فریاد کی، حجاج کی غیرت تڑپ اٹھی، اس نے فوراً محمد بن قاسم کی سرکردگی میں فوج کشی کا حکم دیا، اور پھر سندھ کو فتح کر کے اسلامی عدل کا ایسا پرچم وہاں بلند کیا کہ پھر کسی عورت کو اپنی آبرو بچانے کیلئے فریاد کی نوبت نہ آئی۔

تاریخ کا حکایت گو یہی بتاتا ہے کہ دنیا کے کسی حصہ میں جب کسی نے فریاد کی صدا بلند کی تو قربانی کے جذبے سے سرشار امت نے فی الفور اس کی فریاد رسی کی۔ دیکھئے رومی امپائر کے وسیع تر علاقہ میں ترکی کے ایک شہر عموریہ میں ایک خاتون کی عفت پامال کرنے کی کوشش کی گئی تو اس نے وامعتصماہ وامعتصماہ کی فریاد لگائی معتصم نے سنا تو فوراً لشکر کشی کا حکم صادر کیا اور اسے فتح کر کے اسلامی عدل وانصاف کی وہ روایت وہاں قائم کی کہ پھر کسی عورت کو اپنی آبرو کا کوئی خطرہ پیش نہیں آیا۔

لیکن حیف اور صد بار حیف کہ اسی امت کی بہنوں اور بیٹیوں نے سورت میں بھی فریاد کی صدا بلند کی، مگر ان کی ردائے عفت تار تار ہو گئی اور ابراہیم کی سنت ادا کرنے والا کوئی ایک فرد بھی میدان میں قربانی کا حوصلہ وجذبہ دکھانے کے لئے نہ آیا۔ قربانی کا گوشت کھا کھا کر فربہ و تنومند ہونے والے کسی جسم میں غیرت کی آگ نہ لگی کہ وہ سورت پہنچ کر ابراہیمی کردار کی نمائندگی کرتا۔

ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے بتوں کے خلاف محاجہ کیا، پھر بتوں کو توڑ کر ٹکڑے ٹکڑے بھی کر دیا لیکن بابری مسجد مسمار کر کے وہاں بت نصب کر دیئے گئے۔

ابراہیمی سنت کا ہر سال احیاء اور اتباع کرنے والا کوئی ایک باہمت بھی ایسا نہ تھا جو ان بتوں کو توڑ کر قربانی دینے کے ابراہیمی حوصلے

اور جذبے کا ثبوت دیتا، الغرض وقت کا ایک ایک لمحہ حالات و واقعات کی ایک ایک کروٹ اور دنیا کا ایک ایک گوشہ پکار پکار کے کہتا ہے کہ:

یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے

لیکن کہیں کسی گوشہ عالم میں امید کی کوئی کرن چمکتی نظر نہیں آتی ہاں اسلامی مدارس کے کنج عزلت میں بوریہ نشین طلبہ وعلماء کی جماعت ہی اس دورِ ظلمت میں ملت کی امید کا تنہا چراغ ہے۔ خدا کرے جلد ہی ان میں کوئی دورِ حاضر کا ابراہیم بن کر اٹھے، اللہ کرم فرمائے۔

نعت پاک

از:- منور جی محبوب کبیراکٹ

ظلِ رحماں - بحرِ عرفاں - نورِ یزداں آپ ہیں
نجمِ رخشاں - ماہِ تاباں - مہرِ فاراں آپ ہیں
نورِ شمعِ کُنتُ کنزاً مخفیاً ہاں آپ ہیں
کون اے امینِ نور ہے جلوہ افشاں؟ آپ ہیں
کون سلطانِ عجم ہے؟ کون ہے شاہِ عرب؟
منبعِ الطاف و احساں - معدنِ انسانیت
حسنِ یوسفؑ کی ضیا تو آپ ہی سے ہے حضور!
تقویت دیجئے نوید انتم الاعلون سے
بے کسوں اور بے نواؤں پر کرم فرمائیے
جو بھٹکتے پھر رہے ہیں راہ پر لے آئیے
حشر میں اپنے منور کی بھی رکھ لیجئے گا لاج

فخرِ انساں - جانِ ایماں - شرحِ قرآں آپ ہیں
میرِ ساماں آپ ہیں اور شاہِ خوباں آپ ہیں
مظہرِ نورِ حقیقت - حسنِ یزداں آپ ہیں
کون دو عالم میں ہے شمعِ فروزاں؟ آپ ہیں
کون ہے وجہِ وجودِ بزمِ امکاں؟ آپ ہیں
رحمۃ للعٰلمین - رحمتِ بداماں آپ ہیں
وہ مہِ کنعاں ہیں اور مہرِ درخشاں آپ ہیں
عزمِ محکم - ذوقِ تقویٰ کے نگہباں آپ ہیں
مونس و ہادی و ملجائے غریباں آپ ہیں
خضرِ منزل آپ ہیں - ہادیِ دوراں آپ ہیں
یا نبیؐ! امید گاہِ اہلِ عصیاں آپ ہیں

حقیقی مومن کے اوصاف

درس قرآن

حافظ احسان الحق فلاحی

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ. الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنفِقُونَ. أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَّهُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ رَبِّهِمْ وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ (سورۃ الانفال: ۲-۴)

حقیقی مومن صرف وہی ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں اور جب اس کی آیتیں انھیں پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں اور وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں، جو نماز کو قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے دیا ہے انہیں سے خرچ کرتے ہیں۔ یہی لوگ سچے مومن ہیں۔ ان کے لئے انکے رب کے یہاں درجے ہیں معافی ہے اور عزت کی روزی ہے۔

یہ سورہ انفال کی ابتدائی آیات ہیں۔ یہ سورہ مدینہ منورہ میں جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی اس کا مرکزی مضمون یہ ہے کہ اس میں اللہ اور رسول کی مکمل اور غیر مشروط اطاعت پر اہل ایمان کو ابھارا گیا ہے تاکہ سب لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کی بنیاد پر منظم اور متحد ہو کر باطل کے خلاف صف آرا ہو سکیں۔ مذکورہ آیات میں حقیقی اور معیاری مسلمانوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں۔ پہلی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو ان کے دل لرز جاتے ہیں یعنی اللہ کی عظمت اور کبریائی کا شعور ان کے اندر اتنا گہرا ہوتا ہے کہ اگر ان کے سامنے اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے یا

اللہ کے حوالے سے کوئی بات کہی جاتی ہے۔ اور اللہ کا کوئی حکم سنایا جاتا ہے تو ان کے دل خوف خدا سے کانپ اٹھتے ہیں اور یہی تقویٰ کی اصل روح ہے کہ ایک مومن اللہ کی عظمت و کبریائی اور جلال کے گہرے احساس کے تحت، اس کے احکام پر عمل پیرا ہو۔ اسی صفت کو سورہ حج میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ "وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ. الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَالصَّابِرِينَ عَلَىٰ مَا أَصَابَهُمْ ...... الخ (سورۃ الحج ۳۴ - ۳۵)

اور اے نبی عاجزی اختیار کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔ جن کا حال یہ ہے کہ جب اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو انکے دل دہل جاتے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ صفت انھیں لوگوں کے اندر پیدا ہوتی ہے جن کے دل کبر و غرور سے پاک ہوتے ہیں اور جو عاجزی اور خاکساری کے خوگر ہوتے ہیں۔

دوسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ جب اسکی آیات انہیں سنائی جاتی ہیں تو یہ آیات ان کے ایمان کو بڑھا دیتی ہیں چونکہ یہ مدنی سورہ ہے اور اس کا مرکزی مضمون اللہ اور رسول کی مکمل اور غیر مشروط اطاعت ہے اس لئے یہاں آیات سے مراد اللہ کے احکام اور قوانین ہیں بالخصوص جہاد کے متعلق نازل ہونے والے احکام۔ مطلب یہ ہے کہ جب وہ ان آیات کو سنتے ہیں تو ان کا ایمان بڑھ جاتا ہے اور ایمان کے تقاضوں اور مطالبات کو پیدا کرنے کا جذبہ تیز تر ہو جاتا ہے۔ غزوہ تبوک کے موقع پر بعض مخلص مسلمانوں نے محسوس کیا کہ وہ اپنی غربت کے باعث جہاد میں جانے کی تیاری نہیں کر پا رہے ہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سواری مانگنے کے لئے آئے اور جب آپ نے سواری دینے سے معذرت کر دی تو وہ انتہائی رنج و غم کے ساتھ اپنے گھروں کو واپس ہوئے جس کا نقشہ

قرآن نے یوں کھینچا ہے۔

تَوَلَّوْا وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ

(سورۃ التوبہ : ۹۲)

تو وہ لوٹے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اس غم میں کہ وہ نہیں پا رہے ہیں وہ چیز جو خرچ کریں۔

تیسری صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے رب ہی پر توکل کرتے ہیں توکل اللہ تعالیٰ پر مکمل اعتماد اور بھروسہ کرنے کا نام ہے مطلب یہ ہے کہ احکام الٰہی کو بجا لانے میں وہ کسی کی کوئی پرواہ نہیں کرتے اور نہ کسی کا خوف ان کے راستے میں رکاوٹ بنتا ہے انھیں اس بات پر یقین ہوتا ہے کہ جس خدا کے احکام پر عمل کر رہے ہیں وہی اس راستے میں پیش آنے والی مشکلات اور دشواریوں کو دور کرے گا۔ اور وہ راہ حق میں جانی اور مالی قربانیاں اس یقین کے ساتھ پیش کرتے ہیں کہ اللہ نے انھیں کے فائدے کے لئے یہ قربانیاں ان پر فرض کی ہیں حرام و حلال کی تمیز کرتے ہیں تو اس اعتماد کیساتھ کہ رزق کی کنجیاں اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور وہ انھیں اپنے فضل سے محروم نہیں کرے گا غرضیکہ اللہ پر توکل انھیں زندگی کے ہر موڑ پر غیر شرعی اور غیر اخلاقی روش اختیار کرنے سے روکتی ہے

چوتھی اور پانچویں صفت نماز کی اقامت اور انفاق ہے۔ نماز اور انفاق یا نماز اور زکوٰۃ کا ذکر قرآن مجید میں اکثر و بیشتر مقامات پر ساتھ ساتھ ہوتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دونوں عبادات تمام حقوق اور فرائض کی نمائندہ ہیں۔ نماز حقوق اللہ اور زکوٰۃ و انفاق حقوق العباد کی نمائندگی کرتے ہیں اس طرح ان دونوں کا ایک ساتھ ذکر کر کے سارے حقوق اور فرائض کو انھیں میں سمیٹ دیا جاتا ہے۔ یہاں نماز اور انفاق کا ذکر تمام صفات کے آخر میں کیا گیا ہے جس سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مذکورہ بالا صفات

نماز اور انفاق ہی کا عطیہ اور فیضان ہیں انہیں دونوں کے ذریعہ ایمان و یقین، خشیت الٰہی اور توکل میں اضافہ ہوتا ہے یہاں نماز کی اقامت کا ذکر ہوا ہے اور اقامت کے معنی ہیں قائم کرنا اور کسی چیز کا پورا حق ادا کرنا یعنی نماز کو صحیح ڈھنگ سے پوری پاکیزگی اور طہارت، خشوع و خضوع کے ساتھ وقت کی پابندی کا لحاظ کرتے ہوئے ادا کرنا۔ اس میں جماعت کا مفہوم بھی شامل ہے۔

آخر میں فرمایا جا رہا ہے کہ یہی لوگ حقیقی مومن ہیں ان کے لئے اعلیٰ درجے مغفرت اور بہترین رزق ہے۔ یہاں مغفرت جہنم سے آزادی اور عزت کی روزی دخول جنت کی نہایت بلیغ تعبیر ہے مطلب یہ ہے کہ سچے مومن یہی لوگ ہیں جو جہنم سے دور رکھے جائیں گے اور جنت میں داخل کئے جائیں گے۔

غزل

افتخار الحسن محشر

بڑا حسین ہوا کا سفر رہا ہوگا — بلندیوں پہ ستاروں کا گھر رہا ہوگا
اداس اداس ہے آج بہار کا موسم — خزاں کی دھوپ کے زیر اثر رہا ہوگا
سہیلیاں بھی پنگھٹ سے جا چکی ہوں گی
کوئی اکیلا میرا درد بھر رہا ہوگا
کسی کھنڈر کی طرح چھاؤں تو گیا کدھر — کبھی کہیں کوئی میرا بھی گھر رہا ہوگا
دھواں دھواں سا ہے چھایا ہوا افق پہ — وجود ٹوٹ کے کوئی بکھر رہا ہوگا
ہر اک وجود اسے معتبر لگے محشر
بلندیوں سے وہ نیچے اتر رہا ہوگا

حضرت عامر بن عبداللہ تمیمی عنبری رحؒ

تحریر:- ڈاکٹر عبدالرحمٰن رافت پاشا
ترجمانی:- ابو جلیس ندوی

ہجرت کا چودھواں سال ہے، امیر المومنین حضرت عمرؓ کے حکم سے شہر بصرہ آباد کیا جا رہا ہے تاکہ یہ نیا شہر مجاہدین کے ان فوجی دستوں کی چھاؤنی کا کام دے سکے جو ایران کو مفتوح بنانے کے لئے ترتیب دیئے گئے، ساتھ ہی دعوتِ دین کا ایک ایسا مرکز بھی وہاں قائم ہو سکے جو مفتوح علاقوں میں تعلیم و تبلیغ کا فریضہ انجام دے سکے۔

جزیرۃ العرب کے گوشے گوشے سے مسلمان اس نئے شہر میں آ آ کر آباد ہونے لگے تاکہ اسلامی مملکت کی یہ سرحد دشمنوں کیلئے کھلی نہ رہ جائے۔

نجد سے ہجرت کر کے اس نئے شہر میں آکر جو لوگ آباد ہوئے، ان میں بنو تمیم کا ایک نوجوان بھی تھا۔ جس کو عامر بن عبداللہ تمیمی عنبری کہا جاتا تھا ابھی وہ اپنے عنفوانِ شباب میں تھا، جوانی کی تر و تازگی سے بھرپور، تابناک چہرہ تقویٰ کے نور سے جگمگاتی پیشانی، مزاج و طبیعت سے پاکبازی ہویدا، دل و نگاہ میں اخلاص بندگی کا اجالا پھوٹتا ہوا، عادات و اطوار میں صدق و صفا کا پیکر جمیل نظر آتا تھا۔

بصرہ کو آباد ہوتے ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے تھے۔ پھر بھی وہ مسلمانوں کا سب سے دولتمند شہر شمار کیا جاتا تھا، کیونکہ وہاں اموالِ غنیمت کی برسات ہوتی رہتی تھی اور سونے چاندی کے نالے اسکی گود میں آ آ کر

گرتے تھے۔ مال و دولت کی بہتات و فراوانی کا فائدہ ہر شخص اٹھاتا تھا لیکن عامر بن عبداللہ اس سے بے نیاز صرف اللہ کی رضا کا جویا تھا۔ دنیاوی زیب و زینت کے زخارف سے روگرداں رہ کر وہ صرف اللہ کی رضا و رحمت کا طلبگار تھا، اور اسی کے اجر و ثواب کو زندگی کا سب سے بڑا سہارا بنائے ہر چیز سے بے پروا تھا۔

ابو موسیٰ اشعریؓ ان دنوں بصرہ کے گورنر تھے۔ وہی اسلامی لشکر کے قائد تھے، ان ہی کے حکم سے اسلامی فوجیں نقل و حرکت کرتی تھیں وہی وہاں کے معلم اخلاق، مربی، اور ہادی و مرشد تھے، عامر نے ان ہی کی صحبت اختیار کر لی، اور اس طرح اختیار کی ہر لمحہ ہر موقعہ پر ان کے ساتھ رہتے، صلح و جنگ کے ہر معاملے میں ان کے شریک کار ہوتے، سفر ہو یا حضر ہمہ دم ان کے ہمرکاب و ہمراہ ہوتے، اس بزرگ و با عظمت صحابی کی صحبت سے انہوں نے خوب خوب فائدہ اٹھایا، ان سے کتاب اللہ کا علم حاصل کیا اور اسی کیف نیاز اور سرور باطن کی کیفیت و سرشاری سے حاصل کیا جو قلب رسول اللہ ﷺ کو نزول قرآن کے وقت حاصل ہوتی تھی۔ اس طرح ابو موسیٰ اشعریؓ کے فیض صحبت سے دینی مسائل و معلومات میں وہ عالمانہ شان و عظمت کے مالک بن گئے ——— پھر جب عالمانہ مرتبہ و مقام ان کو حاصل ہوا تو انہوں نے اپنی زندگی کے اوقات کو اس طرح منضبط و منظم کیا کہ ایک حصہ حلقۂ ذکر کے لئے مخصوص کیا اور بصرہ کی جامع مسجد میں بیٹھ کر لوگوں کو قرآن کی تعلیم دینے لگے۔ دوسرا حصہ عبادت الٰہی کی طرف گزینی کے لئے وقف کر دیا، جس میں ذکر و مناجات اور عبادت کیلئے اللہ کے سامنے کھڑے ہو جاتے اور اتنی دیر تک قیام فرماتے کہ پاؤں دکھنے لگتے۔ تیسرا حصہ اللہ کی راہ میں جہاد کے لئے مقرر کیا، جس میں سب نام

تلوار لیکر میدان جہاد میں نکل جاتے اور جانبازی سے داد شجاعت دیتے ان تین چیزوں کے علاوہ دوسری کسی چیز کے لئے انہوں نے اپنی زندگی میں کوئی راہ و گنجائش نہیں رکھی تھی اسی وجہ سے ان کا لقب زاہد بصرہ اور عابد بصرہ پڑ گیا۔

ان کے حالات واطوار کی ایک تابندہ جھلک اس واقعہ میں ملتی ہے جو بصرہ کے ایک باشندے نے بیان کی ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نے ایک قافلہ کے ساتھ سفر کیا۔ قافلے میں عامر بن عبداللہ بھی تھے۔ جب رات کا اندھیرا پھیلا تو ایک تالاب کے کنارے کسی جھاڑی کے دامن میں قافلہ فروکش ہوا، عامر نے اپنے سامان سمیٹ کے درست کئے اپنا گھوڑا ایک لمبی رسی سے کسی درخت میں باندھ کر اس کے پاس کچھ چارہ ڈال دیا تاکہ وہ اپنا پیٹ بھرتا رہے۔ پھر وہ جھاڑی کے اندر جا کے قافلے والوں کی نگاہ سے چھپ گئے۔ میرے جی میں آیا کہ چل کر دیکھوں کہ آخر وہ اس اندھیرے میں کہاں جاتے ہیں؟ اور کیا کرتے ہیں؟ میں چھپ چھپ کر ان کے پیچھے چلا، دیکھا کہ وہ ایک ٹیلے پر گنجان درختوں کے بیچ میں چھپ چھپا کر قبلہ رو کھڑے ہیں اور نماز ادا کر رہے ہیں، ان کی نماز اتنی پر کیف اور خشوع و خضوع کی ایسی دلگیر کیفیت سے مزین تھی کہ بیان نہیں کیا جا سکتا۔ جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو دعائیں مانگنے اور اپنے رب سے مناجات کرنے لگے، کہنے لگے اے رب! تو نے اپنے حکم سے مجھے وجود بخشا، پھر تری مشیت ہی سے میں دنیا کے معاملات میں الجھا اور گرفتار ہوا، پھر تو نے ہی مجھے حکم دیا کہ میں دنیا کے تعلق سے اپنے نفس کو قابو میں رکھوں۔ پروردگار! تو ہی بتا، اگر تیرا لطف وکرم شامل حال نہ ہو تو میں اس پرکشش دنیا سے اپنے نفس کو قابو میں کس طرح رکھ سکتا ہوں اے اللہ! تو جانتا ہے کہ اگر

ساری دنیا مرے ہاتھوں میں آجاتے اور تیری رضا کے عوض اسے کھونا پڑے تو میں بے دریغ یہ ساری دنیا تیری رضا پہ نچھاور کر دونگا اس لئے اے ارحم الراحمین تو بھی اپنی رضا و رحمت کو مجھ پہ نثار کر اے اللہ! تری محبت نے میرے لئے دنیا کی ہر مصیبت آسان کر دی اور قضا و قدر کے تیرے ہر فیصلے پہ مجھے راضی بہ قضا کر دیا، اس لئے تیری محبت کے ہوتے ہوئے مجھے اس کا کوئی غم نہیں کہ میری صبح کس طرح گذرتی ہے اور شام کس طرح

بصرہ کا باشندہ اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کے بعد میری آنکھ لگ گئی اور میں سو گیا، اس دوران بار بار میری آنکھ کھلتی رہی اور میں اٹھ اٹھ کر عامر کو دیکھتا رہا، وہ بدستور اپنی جگہ کھڑے نماز ہی میں مصروف ملے تا آنکہ مرغ سحر نے بانگ دی اور سپیدۂ صبح کا ساغر چھلک پڑا۔

عامر نے نماز فجر ادا کی اور دعا مانگنے لگے کہ۔

اے اللہ! ترے نور سے اب صبح روشن ہو گئی، لوگ ترے فضل کی تلاش و جستجو میں آنے جانے لگے دنیا میں ہر شخص کی کوئی نہ کوئی ضرورت ہے، لیکن عامر کی تجھ سے بس ایک ہی ضرورت ہے کہ تو اسکو بخش دے اسے اپنی مغفرت سے نواز اے کریموں کے کریم تو سب کی ضرورتیں پوری کر اور میری بھی ضرورت پوری فرما۔ اے اللہ! میں نے تجھ سے تین چیزوں کا سوال کیا، دو چیزیں تری رحمت سے مجھ کو حاصل ہو گئیں لیکن ایک نہیں ملی، اے اللہ مجھے وہ چیز بھی عطا فرما تاکہ جی بھر کر تری عبادت کر سکوں؟

بصرہ کا باشندہ کہتا ہے کہ دعا مانگ کر جب وہ اٹھے تو ان کی نگاہ دفعتہ مجھ پر پڑ گئی، وہ مجھے دیکھ کر ششدر سے ہو گئے اور گھبرا کے کہ

میں نے انکی ہر بات سن لی اور ان کا وہ ہر فعل دیکھ لیا جس کو وہ چھپانا چاہتے تھے۔ وہ کچھ اداس ہو کر حزنیں لہجے میں بولے۔

مرے بصری بھائی کیا تو رات بھر میری نگرانی کرتا رہا۔

ہاں، میں نے کہا۔

تب انہوں نے کہا، تم مری باتوں کی پردہ پوشی کرنا، اللہ تمہاری پردہ پوشی کرے گا۔ میں نے کہا! ایک شرط ہے، اگر آپ اسے پوری کر دیں تو آپ کی بات مان لوں گا اور کسی سے کچھ نہیں کہوں گا۔

انہوں نے پوچھا بتاؤ کیا شرط ہے؟

میں نے کہا، شرط یہ ہے کہ آپ مجھے وہ تین چیزیں بتائیں، جن کا آپ نے اللہ سے سوال کیا تھا۔ اگر یہ بتادیں تو ٹھیک ورنہ سب کو سب کچھ بتادوں گا۔

انہوں نے کہا: ایسا مت کرو۔

میں نے کہا! میں جو کہتا ہوں، وہی کروں گا۔

انہوں نے مری ضد دیکھی تو کہا،

پہلے عہد کرو کہ اگر میں وہ تین چیزیں تمہیں بتادوں تو تم کسی سے بھی مری بابت کوئی بات نہ کرو گے۔

میں نے کہا! میں عہد کرتا ہوں کہ تب زندگی بھر یہ امانت مرے سینے میں محفوظ رہے گی، اور کسی سے کچھ نہیں بتاؤں گا تب وہ یوں گویا ہوئے:-

۱ دیکھو دین کی تباہی کے لئے عورت سے زیادہ خطرناک مرے لئے کوئی چیز نہیں تھی اسی لئے میں نے اللہ سے دعا مانگی کہ عورتوں کی محبت مرے دل سے نکال دے مری یہ دعا قبول ہوئی، چنانچہ اب مرے لئے عورت ایسی ہی کشش سے عاری ہے جیسے اینٹ پتھر کی دیوار

میں نے کہا: یہ ایک بات ہوئی، دوسری بات کون سی ہے؟

انہوں نے کہا!

۲ دوسری دعا میں نے یہ مانگی تھی کہ غیر اللہ کا خوف مرے دل سے نکل جائے یہ دعا بھی مستجاب ہوئی۔ دیکھو اب زمین و آسمان کی کسی چیز کا اللہ کے سوا کوئی خوف مجھے لاحق نہیں ہوتا۔

میں نے پوچھا! تیسری بات کیا ہے؟

انہوں نے بتایا!

۳ میں نے دعا مانگی تھی کہ اے اللہ مری آنکھوں سے نیند اڑا دے تاکہ جی بھر کر شب و روز تیری عبادت کر سکوں، یہی وہ تیسری دعا ہے جسے اللہ نے قبول نہیں کیا۔

میں نے کہا! اے عامر اپنے آپ پر رحم کرو، تم دن تو روزہ رکھ کر گذارتے ہو اور رات عبادت میں بسر کرتے ہو۔ حالانکہ اس سے کم اعمال پر بھی جنت کی، سید قائم کی جاسکتی ہے اور اس سے کم شدائد سے دوچار ہوئے بغیر دوزخ سے بچنے کی آس لگائی جا سکتی ہے۔

انہوں نے جواب دیا!

میں ڈرتا ہوں کہ کہیں وہاں ندامت نہ اٹھانی پڑے جہاں ندامت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا بخدا میں تا بمقدور عبادت کرتا رہوں گا، اگر نجات میرا مقدر ہوئی تو یہ اللہ کی رحمت اور اس کا فضل و کرم ہوگا اور اگر دوزخ مرے حصے میں آئی تو یہ مرے گناہوں کا بدلہ ہوگا۔

راہبوں کی طرح عبادت میں اس انہماک کے باوجود عامر بن عبداللہ غازیانِ اسلام میں صف اول کے شہسوار تھے، جب بھی جہاد کا موقعہ آیا وہ پیش پیش رہتے۔ جہاد کے لئے نکلتے وقت بھی انکی ایک جداگانہ شان ہوتی وہ اپنے رفقاء سفر کے انتخاب میں بڑی دیدہ ریزی کرتے، اور جب ان کا انتخا

کر لیتے تو ان سے کہتے کہ میں آپ لوگوں کے سامنے کچھ شرطیں رکھتا ہوں، اگر یہ شرطیں آپ کو منظور ہوں تو آپ کے ساتھ چلنے میں مجھے خوشی محسوس ہوگی۔

۱۔ یہ کہ سفر کے دوران ہر شخص مجھے اپنا خادم سمجھے، میں ہر شخص کی خدمت کو اپنا سرمایۂ افتخار سمجھوں گا۔

۲۔ اثنائے سفر قافلہ کا مؤذن میں رہوں گا، اس معاملہ میں کوئی دوسرا مجھ سے نزاع نہ کرے گا۔

۳۔ اپنی استطاعت کے مطابق تمام قافلے والوں کے اخراجات میں برداشت کروں گا، اگر انکی یہ تین شرطیں لوگ منظور کر لیتے، تو ساتھ ہو جاتے ورنہ دوسری جماعت سے معاہدہ کر کے منسلک ہو جاتے۔

عامر بن عبد اللہ کی مجاہدانہ صفات بھی جداگانہ تھیں، وہ جنگ میں تو سب سے آگے ہوتے لیکن اموال غنیمت کی یافت کے موقعہ پر سب سے پیچھے ہوتے دیکھئے جب جنگ قادسیہ کی فتح کے بعد کسریٰ کے ایوان سعد بن ابی وقاص کے ہاتھ میں آئے تو انہوں نے عمر بن مقرن کو حکم دیا کہ اموال غنیمت جمع کر کے انکو شمار کر لیں، تاکہ اس کا خمس نکال کر بیت المال کو بھیجدیا جائے اور باقی ماندہ اموال مجاہدین میں تقسیم کر دیئے جائیں۔

عاملین اموال غنیمت جمع کر رہے تھے کہ اسی دوران ایک پراگندہ حال شخص ہاتھوں میں ایک درنی صندوقچہ لئے ہوئے آیا، لوگوں نے اس صندوقچہ کو غور سے دیکھا تو دیکھتے ہی رہ گئے۔ اتنا دیدہ زیب خوبصورت خوشنما خوش منظر صندوقچہ انکی آنکھوں نے کبھی نہیں دیکھا تھا، انہوں نے اسے کھول کر دیکھا تو دیکھ کے دنگ رہ گئے، پورے مال غنیمت میں اتنی بیش بہا کوئی چیز نہیں تھی وہ اعلیٰ قسم کے زر و جواہرات سے پورا بھرا ہوا تھا۔ لوگوں نے اس آدمی سے پوچھا۔

یہ گراں بہا گنجینہ کہاں تمہارے ہاتھ آیا۔

فلاں جنگ میں فلاں جگہ اس نے جواب دیا۔

لوگوں نے اس سے پھر پوچھا۔

تم نے کچھ اپنے لئے بھی اس میں سے نکالا؟

اللہ تمہیں ہدایت دے، اس نے جواب دیا، پھر کہا بخدا یہ صندوقچہ اور ایران کا شاہی خزانہ، مرے نزدیک ایک تراشۂ ناخن سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا سنو، اگر یہ بیت المال کا حق نہ ہوتا تو نہ میں اسے زمین سے اٹھاتا اور نہ ہی اسے لیکر یہاں آتا بلکہ وہ جہاں تھا وہیں چھوڑ دیتا۔

لوگوں نے پوچھا! "تم کون ہو؟"

میں نہیں بتاؤں گا، لوگ خواہ مخواہ تعریف کریں گے، میں صرف اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اسی سے امید اجر و ثواب رکھتا ہوں، یہ کہکر اس نے صندوقچہ رکھا اور چلدیا، لوگوں نے ایک آدمی اس کے پیچھے لگایا تاکہ وہ یہ معلوم کر کے آئے کہ وہ کون ہے، کہاں کا رہنے والا ہے؟ وہ آدمی اس کے پیچھے اسطرح چلتا رہا کہ اس کو خبر بھی نہیں ہوئی، آخر وہ اپنے ساتھیوں سے جا ملا — تب اس تجسس کرنے والے نے اس کے ساتھیوں سے پوچھا کہ یہ کون شخص ہے؟ انہوں نے کہا تعجب ہے تم ان کو نہیں جانتے یہ زاہد بصرہ عابد بصرہ عامر بن عبد اللہ ہیں۔

ایثار، خدمت خلق، تقویٰ، خدا ترسی اور دیانت و امانت کے اس جذبۂ پاک اور عمل صالح کے باوجود عامر کی زندگی تلخیوں اور ناخوشگواریوں کی روداد حسرت تھی لوگوں کی ایذا رسانیوں اور بدسلوکیوں کی داستان الم تھی جس طرح منکر کو مٹانے اور حق کو برپا کرنے کی کوشش کرنے والے اللہ کے نیک و مخلص بندوں کو مشکلات و مصائب کی گھاٹیوں سے گذرنا پڑا اسی

طرح عامر کو بھی طرح طرح کی صعوبتیں جھیلنی پڑیں۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ راہ چلتے انہوں نے ایک پولیس کو دیکھا کہ کسی ذمی کی گردن دبائے اسے کھینچے لئے جا رہا ہے۔ وہ روتا ہے، چلاتا ہے دہائی دیتا ہے، لیکن پولیس کے مقابلہ میں کوئی کون مدد کرتا۔ وہ قریب پہنچے تو ذمی چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا، اے مسلمانو! تمہارے نبی کا عہد پامال ہو رہا ہے۔ اسے بچاؤ۔

عامر کے کان میں آواز پہونچی تو فوراً اس کے پاس پہنچے، انہوں نے ذمی سے پوچھا۔ تم نے جزیہ ادا کر دیا ہے؟

ہاں، اس نے جواب دیا۔

عامر نے پولیس سے کہا، اس کی گردن ناحق مت دباؤ، اسے چھوڑ دو۔ پولیس نے کہا میں اس کو ہیڈ کانسٹیبل کے باغ کی صفائی کے لئے لے جا رہا ہوں، عامر نے پھر ذمی سے پوچھا۔

تم اس کا یہ کام برضا و رغبت انجام دے سکتے ہو؟

نہیں، ذمی نے جواب دیا، کیونکہ اس کا کام کرنے میں تھک جاؤں گا اور بال بچوں کے لئے نان شبینہ کا انتظام نہ کر سکوں گا۔ یہ بات سنی تو عامر کے چہرے پر شریعت کا جلال چھا گیا، انہوں نے پولیس سے کہا اسے چھوڑ دو، ناحق مت ستاؤ۔

میں نہیں چھوڑوں گا، پولیس کا جواب تھا۔

عامر نے اپنی چادر ذمی کے سر پر ڈال دی اور چیخ کر کہا:۔

مرے جیتے جی، رسول اللہ ؐ کا عہد پامال ہو، یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ عامر کی چیخ سنی تو لوگوں کی ایک بھیڑ اکٹھا ہو گئی، سب نے عامر کی مدد کی اور پولیس سے ذمی کو چھٹکارا دلا دیا۔

اس واقعہ سے پولیس والوں کے دل میں عامر کے خلاف

غم و غصہ کی آگ سلگ اٹھی، انہوں نے عامر پر حکومت کی غداری اور سرکاری احکامات کی خلاف ورزی کا الزام لگایا، انہیں طریقۂ سنت سے بیزار و منحرف قرار دیا اور کہا کہ یہ نہ شادی کا قائل ہے اور نہ گوشت اور دودھ کو حلال سمجھتا ہے، سرکاری گورنروں کی مجلس عدالت میں حاضری کو اپنی کسر شان سمجھتا ہے، یہ تمام شکایات محکمۂ پولیس نے امیر المومنین عثمان بن عفان ؓ کے پاس لکھ کر بھیج دیں۔

حضرت عثمان ؓ نے بصرہ کے گورنر کو لکھا کہ وہ عامر کو بلا کر ان الزامات کی تحقیق کریں، پھر حقیقت حال سے انہیں آگاہ کریں۔ گورنر نے عامر کو بلایا اور محکمۂ پولیس کی شکایات ان کے سامنے رکھیں اور پوچھا، آپ بتائیے کہ جادۂ سنت سے انحراف کی کیا وجہ ہے؟ اب تک آپ نے شادی کیوں نہیں کی؟ اسی طرح گوشت اور دودھ کیوں آپ نہیں استعمال کرتے؟ اور سرکاری آفسوں میں حاضری کو معیوب کیوں سمجھتے ہیں؟

عامر نے کہا۔ شادی نہ کرنے کا مفہوم و معنی سنت سے اعراض ہرگز نہیں۔ میں جانتا ہوں کہ رہبانیت اسلام میں حرام ہے ـــــ میں نے شادی صرف اس لئے نہیں کی کہ اپنی زندگی کو میں نے اللہ کے لئے وقف کر دیا تھا، اب اگر شادی کرتا تو اندیشہ تھا کہ بیوی مجھ پر غالب ہو جائے اور بندگی میں کوتاہی سرزد ہو۔

رہی گوشت اور دودھ استعمال نہ کرنے کی بات تو یہ سرتاسر غلط ہے جب گوشت اور دودھ مجھے ہمدست ہوتا ہے تو حسب خواہش و ضرورت استعمال کر لیتا ہوں، اور ہمدست نہ ہو تو استعمال کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ گورنر نے سوال کیا، اچھا بتائیے مکھن کیوں نہیں استعمال کرتے؟

عامر نے جواب دیا۔ ہم جس علاقہ میں رہتے ہیں وہاں آتش پرست

مجوسی مکھن تیار کرتے ہیں، یہ لوگ مردار اور ذبیحہ میں فرق و امتیاز نہیں کرتے اس لئے احتیاطاً مکھن استعمال نہیں کرتا۔ ہاں مسلمانوں کا تیار کیا ہوا مکھن استعمال کرتا ہوں۔

گورنر نے آخری سوال اچھالا۔ سرکاری قیصران کی مجلسوں میں حاضری کو آپ کیوں اچھا نہیں سمجھتے؟

عامر نے جواب دیا۔ آپ لوگوں کے پاس دوسرے ضرورتمندوں کی تعداد ہی کیا کم ہے؟ آپ ان ہی کی ضرورتیں پوری کریں، اور جن کو آپ کی ضرورت نہیں ہے، انہیں ان کے حال پر ہی چھوڑ دیں تو اچھا ہے۔

حضرت عثمانؓ کے پاس گورنر نے اپنی تحقیقی رپورٹ ارسال کر دی کہ عامر بے قصور تھے لیکن پھر بھی عامر کے بارے میں چہ میگوئیاں ہوتی رہتی تھیں اس لئے حضرت عثمانؓ کو اندیشہ ہوا کہ عامر کے معتقدین و مخالفین میں کہیں تصادم کی نوبت نہ آ پہنچے، یہ سوچ کر انہوں نے شام کے گورنر حضرت امیر معاویہؓ بن ابو سفیان کو لکھا کہ وہ عامر کو اپنے پاس (شام) بلالیں اور وہیں ان کی رہائش کا معقول انتظام کر دیں۔ حضرت عثمانؓ نے یہ تاکید بھی کر دی کہ شام میں ان کا شایانِ شان سرکاری استقبال کیا جائے۔

عامر بن عبداللہ جس روز بصرہ کو الوداع کہہ کے چلے ان کے معتقدین و تلامذہ کا ایک جمِ غفیران کے پیچھے پیچھے چلا اور شام کی سرحد تک انکے ساتھ گیا، وہاں پہنچ کر عامر نے لوگوں سے کہا ــــــ میں کچھ دعائیں کرنا چاہتا ہوں، آپ لوگ میری دعا پر آمین آمین کی صدا بلند کریں تو آپ کا مشکور ہوں گا۔ تمام لوگ ساکت و ساکن ہو گئے، عامر نے ہاتھ اٹھا اور کہا

اے اللہ جس نے مجھ پر بہتان تراشی کی اور میرے خلاف جھوٹی شکایات پہونچائیں جن کی بنا پر مجھے اپنے وطن کو خیرباد کہنا پڑا، اپنے احباب

محبین و مخلصین کا داغِ مفارقت سہنا پڑا، میں نے ان کو معاف کر دیا تو بھی ان کو معاف کر دے اور دین و دنیا کی عافیت سے انہیں شادکام کر۔ اے اللہ! مجھ کو، ان کو اور تمام مسلمانوں کو اپنے عفو و کرم اور احسان و رحمت کی چادر میں چھپالے۔

پھر انہوں نے اپنی سواری کو ایڑ لگائی اور شام کی طرف روانہ ہو گئے شام پہونچ کر عامر نے بیت المقدس کو اپنی اقامت گاہ بنا لیا۔ وہاں امیر معاویہؓ نے ان کی بڑی عزت و تکریم کی ـــ جب ان کا آخری وقت آیا تو ان کے معتقدین ان کی زیارت و ملاقات کے لئے آئے، دیکھا تو ہچکیاں بندھی ہوئی ہیں اور وہ زار و قطار رو رہے ہیں۔ لوگوں نے سبب پوچھا تو کہا۔

سفر طویل ہے اور زادِ راہ قلیل، معلوم نہیں میرا انجام کیا ہوگا، جنت ملے گی یا دوزخ، پھر اللہ کا ذکر کرتے ہوئے آخری سانس لیا اور پیک اجل کو لبیک کہا۔ اللہ تعالیٰ انکی قبر نور سے بھر دے، جنت خلد کو ان کی آرام گاہ بنائے آمین

قربانی سرچشمۂ قوت

انسان میں جتنی بھی قوت آتی ہے قربانی سے آتی ہے انسان کچھ لے کر نہیں، پاس سے کچھ دے کر غنی تر ہو جاتا ہے وہ جتنا نقصان اٹھاتا ہے اتنا ہی نفع میں رہتا ہے جتنا کھوتا ہے اتنا ہی زیادہ پاتا ہے، فرد اس کے لئے سامانِ صحت ہے، قید اس کے لئے ذریعہ آزادی ہے۔ اور مرنا اس کے لئے وجہِ حیات ہے۔

(مودودیؒ)

دوسری قسط

فقہی قراردادیں

اسلامک فقہ اکیڈمی کے نویں فقہی سیمینار منعقدہ جامعۃ الہدایہ جے پور (۱۱ تا ۱۴ اکتوبر ۱۹۹۶ء) کے فیصلے

مچھلی کی خرید وفروخت سے متعلق تجاویز

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی میں موجود مچھلیوں کی خرید وفروخت سے منع فرمایا ہے۔ فی زمانہ مچھلیوں کے کاروبار کی بعض ایسی صورتیں مروج ہو گئی ہیں جن کے اس زمرہ میں شامل ہونے کا شبہ ہوتا ہے۔ اسی پس منظر میں اسلامک فقہ اکیڈمی کے نویں سمینار منعقدہ جامعۃ الہدایہ جے پور میں اس مسئلہ پر بحث ہوئی اور درج ذیل امور طے پائے۔

۱۔ ندی، نالے، نہریں جو کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہوتیں بلکہ سرکار انکو اشخاص یا کوآپریٹو سوسائٹی یا گرام پنچایت کو مخصوص مدت کے لئے بندوبست کر دیتی ہے۔ یہ مچھلی کے حق شکار پر ہوتا ہے، اس لئے یہ معاملہ عقد اجارہ کی صورت ہے اور جائز ہے۔ لیکن سرکار کیلئے مناسب ہے کہ ایسے تالاب کو بندوبست نہ کرے جس سے عام لوگوں کو ضرر پہونچ سکتا ہو۔

۲۔ پانی میں رہتے ہوئے مچھلی کو فروخت کر دینا جائز نہیں ہوگا۔ اگر بائع تالاب کی ان مچھلیوں کا مالک ہو تو اس صورت میں یہ بیع فاسد ہوگی اور اگر بائع حسب حکم شرع ان مچھلیوں کا مالک بھی نہیں، اور اسے پانی سے نکالے بغیر فروخت کرتا ہے تو یہ بیع باطل ہوگی، البتہ اگر حوض چھوٹا ہو اور وہ مچھلیاں آسانی کے ساتھ نکال کر خریدار کو حوالہ کی جا سکتی ہوں تو ایسی صورت میں، پانی میں رہتے ہوئے مچھلی فروخت کی جا سکتی ہے۔

۳۔ مچھلی کے مالک ہونے کی تین صورتیں ہیں۔

(الف) تالاب میں مچھلیاں قدرتی طور پر آگئی ہوں اور تالاب کے مالک نے ان مچھلیوں کو روکنے کی تدبیر کی ہو۔

(ب) مچھلیوں ہی کی غرض سے تالاب بنوایا گیا ہو۔

(ج) کسی شخص نے تالاب میں مچھلی کی افزائش کیلئے مچھلی کے زیرے ڈالے ہوں۔

(نوٹ) مولانا شاہین جمالی صاحب (مدرسہ امداد الاسلام میرٹھ) کے نزدیک موجودہ وسائل ماہی گیری، تعامل اور حاجات انسانی کی رعایت کے نقطہ نظر سے مملوکہ مچھلیاں پانی کے اندر ہوں، اور تالاب ایسا ہو کہ جال اس کا احاطہ کرلے، تب انکو پانی کے اندر بھی فروخت کرنا جائز ہے۔

تجویز بابت مشینی ذبیحہ

مشینی ذبیحہ کے مسئلہ پر اسلامک فقہ اکیڈمی کے ساتویں سمینار منعقدہ بھروچ میں بحث کی گئی تھی، اور اس کی بعض صورتوں کے جواز اور بعض صورتوں کے ناجائز ہونے پر اتفاق ہو گیا تھا۔ ایک صورت کی بابت علماء و مفتیان کرام کی رائیں مختلف تھیں، اور سمینار کا احساس تھا کہ اس مسئلہ پر دوبارہ غور کیا جائے اور مجوزین و مانعین کے دلائل کا خلاصہ دوبارہ مندوبین کی خدمت میں بھیجا جائے تاکہ وہ پھر غور کر کے مسئلہ پر رائے دے سکیں۔ چنانچہ اکیڈمی نے دوبارہ اس سلسلہ میں مفصل سوالنامہ بھیجا۔ اور اس پر جو جوابات آئے، ان کی روشنی میں درج ذیل امور طے پائے۔

۱۔ اگر جانور بجلی کے ذریعہ چلنے والی زنجیر یا پٹہ سے شاک کر کے بے ہوشی کے مرحلہ سے گزرنے کے بعد ذابح کے سامنے پہنچتا ہے، اور ذابح بسم اللہ کہکر اسکو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیتا ہے۔ اور جانور کے ذبح کے وقت اسکے زندہ ہونے کا یقین ہے، یہ صورت بالاتفاق جائز ہے۔ اس لئے اس میں صرف

جانور کا نقل وحمل مشین کے ذریعہ ہو رہا ہے، باقی فعل ذبح ہاتھ سے انجام دیا جاتا ہے۔ اکیڈمی مسلمان ارباب مسالخ سے خواہش کرتی ہے کہ وہ اسی طریقہ کو رواج دیں۔ اور اگر ضرورت محسوس ہو تو ذبح کی رفتار کو تیز کرنے کیلئے کئی ذابح کا تقرر کیا جائے۔

۲۔ مشینی ذبیحہ کی اسی صورت جس میں جانور کے نقل وحمل اور ذبح دونوں کام مشین سے انجام پائیں۔ اس طرح کہ بٹن دبانے کے ساتھ مشین حرکت میں آجائے اور اس مشین پر باری باری جانور آتا جائے۔ اس صورت کی بابت تین رائیں ہیں۔

(الف) پہلا جانور حلال ہوگا۔ اس کے بعد جو جانور ذبح ہوتے جائیں وہ جائز نہیں ہیں یہ اکثر شرکاء سیمینار کی رائے ہے۔

(ب) پہلا جانور بھی حلال نہ ہوگا۔ یہ بعض حضرات کی رائے ہے۔ جو درج ذیل ہیں۔ (مفتی شبیر احمد قاسمی، مرادآباد، مولانا مجیب الغفار اسعد اعظمی بنارس مولانا بدر احمد مجیبی پٹنہ، مولانا ابوالحسن علی گجرات)

(ج) پہلا جانور بھی حلال ہوگا، اور بعد میں جو جانور اس فعل ذبح کے منقطع ہونے سے پہلے پہلے ذبح ہو جائیں وہ بھی حلال ہیں۔ یہ رائے مولانا زبیر الاحمد ندوی، مولانا صباح الدین ملک فلاحی، مولانا سلطان احمد اصلاحی، مولانا جلال الدین انصر عمری، مولانا یعقوب اسماعیل منشی، مولانا صدر الحسن ندوی، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا خالد سیف اللہ رحمانی، مفتی نسیم احمد قاسمی اور مولانا اعجاز احمد قاسمی کی ہے۔

۳۔ جن حضرات کے نزدیک مشین کے ذریعہ ذبح کی صورت میں پہلا جانور حلال ہو جاتا ہے، ان کے نزدیک اگر ایسی مشین ایجاد ہو جائے۔ جس سے بڑی تعداد میں چھریاں متعلق ہوں، اور بٹن دباتے ہی بیک وقت چل کر ایک ایک

جانور کو ایک ساتھ ذبح کر دیتی ہوں تو یہ تمام جانور حلال ہو جاتے ہیں۔

۴۔ واضح رہے کہ مشینی ذبیحہ کے بارے میں یہ احکام مشین کی مخصوص ہیئت اور وضع کو سامنے رکھ کر طے کئے گئے ہیں، ہر طرح اور ہر وضع کی مشین پر اس کا اطلاق نہیں ہوگا۔ بلکہ مشین کی مخصوص ہیئت اور طریقہ کار کی روشنی میں اس کا حکم مقرر کیا جا سکتا ہے۔

تجاویز بابت بیع قبل القبض

دور حاضر میں خرید وفروخت کی بہت سی ایسی صورتیں مروج ہیں جن میں فروخت شدہ شئی پر قبضہ کئے بغیر خریدار دوسروں کے ہاتھ فروخت کر دیتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع قبل القبض سے منع فرمایا ہے، اسی پس منظر میں ایسے مروجہ معاملات کی بابت اسلامک فقہ اکیڈمی کے نویں سیمینار منعقدہ جامعۃ الہدایۃ جے پور میں درج ذیل باتیں طے پائیں۔

۱۔ اصولی طور پر قبضہ سے پہلے کسی چیز کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے، تاہم اگر قبضہ سے پہلے بیع کر دی جائے تو یہ بیع فاسد ہوگی نہ کہ باطل، اور قبضہ کے بعد مفید ملک ہوگی۔

۲۔ کتاب وسنت میں قبضہ کی حقیقت اور اس کی کوئی خاص صورت مقرر نہیں کی گئی ہے، گویا شریعت نے اس مسئلہ میں مسلمانوں کے عرف کو اصل قرار دیا ہے، لہذا ہر عہد کے مروجہ طریقوں اور اشیاء کی مختلف انواع کے اعتبار سے قبضہ کی نوعیت متعین ہوگی۔

۳۔ فقہاء کی تصریحات سے معلوم ہوتا ہے کہ قبضہ اصل میں مبیع پر خریدار کے ایسے استیلاء کا نام ہے کہ مبیع پر اس کے تصرف میں کوئی مانع باقی نہ رہے، اسی کو فقہ کی کتابوں میں "تخلیہ" سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۴۔ بیع قبل القبض کی ممانعت غرر انفساخ کی علت پر مبنی ہے، یعنی جب

تک مبیع خریدار اول کے ہاتھ نہ آجائے اس بات کا اندیشہ موجود ہے کہ مبیع اس کے قبضہ میں آہی نہ پائے، اور وہ خریدار دوم کو مبیع کے حوالگی پر قادر نہ رہے۔

۵۔ بیع قبل القبض کی ممانعت کا تعلق اموال منقولہ سے ہے، اموال غیر منقولہ میں بیع قبل القبض جائز ہے، بشرطیکہ خریدار کیلئے انتفاع سے کوئی قوی مانع نہ پایا جاتا ہو۔

۶۔ اگر ایک شخص کسی بائع (فیکٹری وغیرہ) سے مال خرید کر کسی دوسرے آدمی کے ہاتھ فروخت کر دے اور ابھی خریدا ہوا مال فیکٹری نے روانہ بھی نہ کیا ہو تو یہ صورت بیع قبل القبض میں داخل ہے اور جائز نہیں ہے۔

۷۔ اگر ایک شخص کسی فیکٹری وغیرہ سے سامان خرید کر اس کو کسی خاص ذریعہ (جہاز، ٹرانسپورٹ، پرمٹ وغیرہ) سے سامان کی ترسیل کا آڈر دے اور مطلوبہ سامان فیکٹری سے روانہ بھی کر دیا جائے، اور نقصان کی صورت میں خریدار اس کا ضامن ہوتا ہو، نیز ترسیل کی اجرت خریدار کے ذمہ ہو تو جس ذریعہ سے مال روانہ کیا جائے اس کا قبضہ خریدار کی طرف سے وکالۃً قبضہ متصور ہوگا، لہٰذا اس صورت میں مال پہونچنے سے پہلے خریدار کو فروخت کرنا جائز ہے۔ اور یہ بیع قبل القبض میں داخل نہیں، البتہ جس شخص نے اس خریدار سے مال خریدا ہے اس خریدار دوم کے لئے مال پہونچنے سے پہلے دوبارہ بیع جائز نہیں، اور اگر بیع کرے تو یہ بیع قبل القبض کے زمرہ میں داخل ہوگی۔

یہودیت

پہلی قسط

انیس احمد فلاحی

تعریف

لفظ یہود کے اشتقاق کے سلسلے میں علما کی مختلف رائیں ہیں۔

۱۔ یہ خالص عربی لفظ ہے اور "ہود" سے بنا ہے جسکے معنی توبہ وانابت کے آتے ہیں۔ چونکہ انھوں نے بچھڑے کی پوجا سے توبہ کی بے مثال اور تاب آزما روایت قائم کی اس لئے انکو یہودی کہا گیا کیونکہ انھوں نے عرض کیا تھا "اناھدنا الیک" (سورۃ الاعراف: ۱۵۶)۔ یا "ھود" کے معنی ہیں ہلنا، حرکت کرنا چونکہ یہ لوگ توریت بہت جوش سے جنبش کھا کھا کے جھوم کر پڑھتے تھے اس لئے یہودی نام سے موسوم ہوئے۔ یا پھر "ہود" کے معنی ہیں رہبری کرنا، مخبری کرنا یا بادشاہ وقت کو انبیاء کرام کی خبر دے کر انہیں قتل کراتے تھے اس لئے یہ لقب ان کو ملا جو ان پر اللہ کے غضب کی غمازی کرتا ہے۔

(الادیان والفرق والمذاھب المعاصرۃ: ص۱۵۔ تفسیر کبیر وروح البیان ج۱ص۱۱)

۲۔ بنواسرائیل کو "یہود"، حضرت یعقوب علیہ السلام کے چوتھے بیٹے "یہوذا" کی طرف نسبت کرکے کہا جاتا ہے۔ یہ لفظ غیر مرکب لفظ ہے اور اس کا مادہ "ہود" ہے۔ اور یہودا کے تسمیہ میں حمد وطاعت کا مفہوم ملحوظ ہے۔ کتاب پیدائش میں "یہوذا" کے متعلق جو دعا مذکور ہے وہ اس کی بین دلیل ہے دعا کے الفاظ یہ ہیں۔

اے یہوداہ: تیرے بھائی تیری مدح کریں گے۔
تیرا ہاتھ تیرے دشمنوں کی گردن پر ہوگا۔

تیرے باپ کی اولاد تیرے آگے سرنگوں ہوگی۔

البتہ علماء یہود کا خیال ہے کہ یہ لفظ "یہو" اور "دا" سے مرکب ہے "یہو" کے معنی اللہ اور "دا" کے معنی "ہذا" کے ہیں انکی دلیل کتاب پیدائش کی یہ عبارت ہے، "اور وہ (لیہ زوجہ یعقوب علیہ السلام) پھر حاملہ ہوئی اور اس کے بیٹا ہوا تب اس نے کہا کہ میں اب خداوند کی ستائش کروں گی اس لئے اس کا نام یہوداہ رکھا" (توریت پیدائش باب ۲۹، ۳۵)

اس سے یہود نے یہ سمجھا کہ یہ لفظ اس واقعہ اور یہود کے لفظ کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ (حالانکہ یہ لفظ اللہ تعالٰی کی حمد کی طرف اشارہ کر رہا ہے) ان کا یہ خیال درست نہیں ہے کیونکہ لفظ "یہو" کے ساتھ کسی ایسے ہی لفظ کو ملایا جا سکتا ہے جس کا ملایا جانا اس کے ساتھ موزوں ہو، لفظ "دا" کوئی ایسا موزوں لفظ نہیں ہے جو کسی مخلوق کا نام رکھنے کیلئے اس کے ساتھ ملایا جائے۔ کیونکہ اس کے ملانے سے جو معنی بنتے ہیں وہ یہ ہے کہ یہ اللہ ہے ظاہر ہے کہ کسی مخلوق کے لئے اس لفظ کا استعمال نہایت ہی مکروہ ہے۔ (مفردات القرآن۔ امام فراہیؒ، مادہ ھ و د)

۳۔ تیسری رائے یہ ہے کہ یہ لفظ مملکت "یہوداہ" کی طرف منسوب ہے جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے بعد جنوبی فلسطین میں قائم ہوئی تھی آپ کے انتقال کے بعد بنو اسرائیل دو حصوں میں بٹ گئے۔ ایک حصہ اسرائیل اور دوسرا "مملکت یہوداہ" کے نام سے موسوم ہوا کیونکہ اسمیں صرف دو خاندان "یہوداہ" اور "بن یمین" ہی باقی رہ گئے تھے جس پر یہوداہ کی نسل کے غلبہ کی وجہ سے یہود کے لفظ کا اطلاق ہونے لگا۔ اسرائیل (سامرہ) کی آشوریوں کے ہاتھوں مکمل تباہی کے بعد پوری قوم پر لفظ "یہود" کا اطلاق ہونے لگا۔

یہی رائے زیادہ قرین قیاس ہے کیونکہ بنو اسرائیل نے اپنے لئے یہ لفظ عہد نامہ قدیم میں سفر عزرا سے پہلے کہیں استعمال نہیں کیا ہے اور عزرا یہود کی اس دور کی تاریخ پر مشتمل ہے جو بابل کی اسیری سے تعلق رکھتا ہے۔ سفر عزرا سے پہلے سے اسفار انکے لئے "شعب" اور "اسرائیل" کا لفظ استعمال کرتے تھے۔ لیکن بابل کی اسیری کے بعد انہیں یہود کہا جانے لگا جس سے اس رائے کی تائید ہوتی ہے کہ یہ لقب انھیں مملکت یہوداہ کے رعایا ہونے کی وجہ سے اس وقت عطا کیا گیا جب اخلاقی بگاڑ اور شریعت موسویہ سے انحراف کے بعد انکے احبار و علماء نے اپنے اپنے خیالات و رجحانات کے مطابق عقائد اور رسوم اور مذہبی ضوابط کا ڈھانچہ تیار کرنا شروع کر دیا تھا جسکی وجہ سے رسولوں کی لائی ہوئی ربانی ہدایت کا بہت تھوڑا ہی عنصر اس میں شامل رہ گیا تھا۔

اس کی تائید قرآن مجید میں لفظ "یہود" کے استعمالات سے بھی ہوتی ہے کہ یہ لفظ اور اسکے مشتقات سے ان کا ذکر انھیں مواقع پر کیا گیا ہے جو ذم و تنقیص کے مواقع ہیں۔ اس مضمون کی چند آیات ملاحظہ ہو۔

۱۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللّٰهِ مَغْلُولَةٌ، غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلُعِنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَاهُ مَبْسُوطَتَانِ۔ (سورۃ المائدہ: ۶۴)

اور یہود کہتے ہیں کہ خدا کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں، ہاتھ ان کے بندھ جائیں اور ان کی اس بات کے سبب سے ان پر لعنت ہو بلکہ اس کے دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔

۲۔ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَىٰ نَحْنُ أَبْنَاءُ اللّٰهِ وَأَحِبَّاؤُهُ۔ (سورۃ المائدہ: ۱۸)

"یہود اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اس کے بیٹے اور چہیتے ہیں"

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ (التوبہ: ۳۰)

اور یہود عزیر کو خدا کا بیٹا کہتے ہیں۔

۴۔ ما کان ابراھیم یہودیا ولا نصرانیا۔ (آل عمران: ۶۷)

ابراہیم (علیہ السلام) نہ تو یہودی تھا اور نہ نصرانی

۵۔ قُلْ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ هَادُوْٓا اِنْ زَعَمْتُمْ اَنَّكُمْ اَوْلِیَآءُ لِلّٰهِ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ (سورۃ الجمعہ: ۶)

ان سے کہو: اے لوگو جو یہودی بن گئے ہو اگر تمہیں یہ گھمنڈ ہے کہ باقی سب لوگوں کو چھوڑ کر بس تم ہی اللہ کے چہیتے ہو تو موت کی تمنا کرو اگر تم اپنے اس زعم میں سچے ہو۔

(دیکھئے: الادیان فی القرآن، ص ۱۳۵۔ الیہودیۃ، محمد شلبی، ص ۹۶)

میرے نزدیک یہی آخری رائے زیادہ صحیح ہے اور یہ لفظ "ہود" سے ماخوذ نہیں ہے کیونکہ اگر انھیں توبہ کرنے ہی کی وجہ سے یہودی کہا گیا تو پھر قرآن کریم میں ذم و تنقیص کے مواقع ہی پر اس لفظ کا ذکر کیوں کیا گیا؟ اور یہودیوں نے بابل کی اسیری سے ماقبل لکھی گئی مقدس کتابوں میں اپنے لئے اس لفظ کا استعمال کیوں نہیں کیا جبکہ یہ لفظ مدح و ستائش کا مفہوم لئے ہوئے تھا نیز قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی بنو اسرائیل کو خطاب کیا گیا ہے وہاں بنی اسرائیل ہی کے الفاظ استعمال ہوئے ہیں یہود کے نہیں یہود کے لفظ سے مذہب یہود کے پیروں کو خطاب کیا گیا ہے جن میں اسرائیلی اور غیر اسرائیلی دونوں شامل ہیں اور ظاہر ہے گوسالہ پرستی سے توبہ صرف اسرائیلیوں نے ہی کی تھی غیر اسرائیلیوں نے نہیں، نیز اس وقت تک غیر اسرائیلی قومیں یہودیت میں داخل بھی نہیں ہوئی تھیں۔

یہودیت کی تاریخ

بنی اسرائیل کے مورث اعلیٰ یعقوب بن اسحاق بن ابراہیم علیہ السلام ہیں، آپ کا لقب اسرائیل تھا

جس کے معنی ہیں "بندہ خدا" آپ کے لقب کی جانب نسبت کرکے آپ کی نسل کو بنی اسرائیل کہا جاتا ہے فلسطین میں آپ مصر کی طرف ہجرت سے پہلے خالص بدویانہ اور مویشیوں کے گلوں کے ساتھ خانہ بدوشی کی زندگی گزارتے تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَقَالَ یٰٓاَبَتِ هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّیْ حَقًّا وَقَدْ اَحْسَنَ بِیْٓ اِذْ اَخْرَجَنِیْ مِنَ السِّجْنِ وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ (سورہ یوسف: ۱۰۰)

ابن جریرؒ "من البدو" کی تفسیر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یعقوبؑ کا پورا خاندان بدویانہ زندگی گزارتا تھا اور انکی معاشی زندگی کی بنیاد مویشی پالن تھی (دیکھئے تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۹۲)

دیار مصر میں یعقوب (علیہ السلام) کی سکونت

مصر میں جب یوسف علیہ السلام کو اقتدار حاصل ہو گیا تو آپ کے والد یعقوب علیہ السلام اپنے پورے خاندان کے ساتھ مصر میں جاکر آباد ہو گئے۔ (دیکھئے، کتاب پیدائش باب: ۴۱/۳۹/۴۲) بنی اسرائیل کو وہاں آباد ہونے میں کسی خاص دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑا کیونکہ اس وقت مصر میں عرب چرواہوں (HYKSOS) کی حکومت تھی جنہیں تاریخ میں "عمالقہ" کے نام سے جانا جاتا ہے اور جو قحط و خشک سالی کے سبب فلسطین اور سوریا سے دو ہزار سال قبل وہاں جاکر آباد ہو گئے تھے۔

(موکب الشمس ج ۲ ص ۲۹۶)

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے پورے خاندان کو جرسان کے علاقہ میں آباد کیا جو قاہرہ اور دمیاط کے درمیان واقع ہے اور جو نہایت زرخیز اور سرسبز و شاداب علاقہ تھا۔ (دیکھئے: کتاب پیدائش ۴۷/۲۷)

قبطیوں کے ہاتھوں عمالقہ کی حکومت کے خاتمہ کے بعد بنو اسرائیل کی حب الوطنی مشکوک قرار پائی۔ اس لئے انکے زور کو توڑنے کی پوری کوشش

کی گئی۔ توریت میں ہے۔

"تب مصر میں ایک نیا بادشاہ ہوا جو یوسف کو نہیں جانتا تھا اور اس نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا دیکھو بنی اسرائیل ہم سے زیادہ قوی ہو گئے ہیں سو آؤ ہم ان کے ساتھ حکمت سے پیش آئیں ایسا نہ ہو کہ جب وہ اور زیادہ ہو جائیں اور اس وقت جنگ چھڑ جائے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مل کر ہم سے لڑیں اور ملک سے نکل جائیں (خروج ۱ - ۱۵)

بنی اسرائیل پر تشدد کا سبب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ انہوں نے ملک کے اہم مناصب پر قبضہ کر لیا ہوگا اور مصر کی معاشیات پر ان کا پورا کنٹرول ہو گیا ہوگا۔ بہر حال سبب جو بھی رہا ہو بنی اسرائیل کئی صدیوں تک مصر میں انتہائی ذلت و نکبت کی زندگی گزارتے رہے یہاں تک کہ موسیٰ علیہ السلام کے ہاتھوں ان کو مصر کی غلامی سے نجات ملی۔ (الیہودیۃ والمسیحیۃ۔ ڈاکٹر ضیاء الرحمٰن اعظمی: ص۵۹)

ظہور موسیٰ علیہ السلام

موسیٰ علیہ السلام منقۂ شہود پر اس وقت ظاہر ہوئے جب آپ کی پوری قوم قبطیوں کے قومی عصبیت کا شکار تھی اور ذلت و نکبت کی زندگی گزار رہی تھی۔ (دیکھئے کتاب خروج باب ۲: ۱ - ۳)

یہودی تاریخ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شخصیت سب سے مقدس شخصیت سمجھی جاتی ہے کیونکہ آپ نے انکو ایک تفصیلی شریعت دی اور خدا تعالیٰ سے من حیث القوم ایک عہد میں باندھ کر ان میں اتحاد کا ایسا احساس پیدا کر دیا اور یکجہتی کی ایسی بنیاد فراہم کر دی جس نے انکو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ایک مستقل قوم بنا دیا۔ اپنے اس کارنامہ کے ساتھ یہودی روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی بنی اسرائیل کو مصر کی غلامی سے

نجات دلانے والے اور ارض موعود (فلسطین) کی طرف انکی رہنمائی کرنے والے تھے (دنیا کے بڑے مذہب: ص۲۲)

موسیٰ مصری لفظ ہے جس کے معنی "لڑکے" کے آتے ہیں (الیہودیۃ والمسیحیۃ ص۶۲) آپ مصر میں فرعون رعمسیس ثانی کے عہد میں (۱۳۰۱ - ۱۲۳۴ ق م) پیدا ہوئے۔ آپ کی والدہ نے فرعون کے خوف سے آپ کو ایک صندوق میں رکھ کر دریا میں ڈال دیا جس کو فرعون کی عورت نے اٹھا لیا۔ اس طرح آپ کی پرورش و پرداخت فرعون کے محل میں ہوئی۔

جوانی میں غلطی سے آپ سے ایک قبطی کے قتل کا جو صدور ہوا اسکی وجہ سے مدین کی جانب روانہ ہوئے جہاں دس سال تک قیام کیا۔ دس سال کے بعد مصر واپسی کے دوران کوہ طور پر اللہ تعالیٰ نے جھاڑی کی آگ میں اپنا جلوہ دکھایا۔ (خروج باب ۳: ۲ - ۵) اور آپ کو نبوت کے عظیم منصب سے سرفراز کر کے فرعون اور قوم فرعون کی ہدایت کیلئے بھیجا۔

بنی اسرائیل کا مصر سے خروج۔

فرعون منفتاح کے عہد میں (۱۲۲۳ ق م) موسیٰ علیہ السلام مصر سے بنی اسرائیل کے ساتھ نکلے۔ مصر سے بنی اسرائیل کے خروج کا واقعہ عہد نامہ قدیم کے سفر خروج میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ بعض محققین اس واقعہ کو خرافات کی قبیل سے مانتے ہیں حالانکہ یہ ایک متفق تاریخی واقعہ ہے اشتباہ کی وجہ یہ ہے کہ اس قصہ کا اصل ماخذ توریت ہے جو آٹھ صدیوں کے بعد مدون کی گئی اس لئے یہ قصہ گھڑی ہوئی اس شکل میں ہم تک پہونچا جو مخصوص خاص مقاصد کے تحت لکھا گیا تھا اسی لئے بعض مورخین اسے خیالی قصہ سے تعبیر کرتے ہیں۔ "العرب والیہود فی التاریخ احمد سوسہ، ص۲۷۹ م"

قرآن نے بھی واقعہ خروج کی جانب ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَسْرِ بِعِبَادِي إِنَّكُم مُّتَّبَعُونَ ۔ فَأَرْسَلَ فِرْعَوْنُ
فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ۔ إِنَّ هَٰؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ۔ وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَائِظُونَ
وَإِنَّا لَجَمِيعٌ حَاذِرُونَ (سورۃ الشعراء: ۵۲ تا ۵۶)

ہم نے موسیٰ کو وحی بھیجی کہ راتوں رات میرے بندوں کو لیکر نکل جاؤ تمہارا پیچھا کیا جائے گا اس پر فرعون نے فوجیں جمع کرنے کے لئے شہروں میں نقیب بھیج دیئے اور کہلا بھیجا کہ یہ کچھ مٹھی بھر لوگ ہیں اور انہوں نے ہم کو بہت ناراض کیا ہے اور ہم ایک ایسی جماعت ہیں جس کا شیوہ ہر وقت چوکنا رہنا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام باذن الٰہی بنی اسرائیل کے ساتھ نکل پڑے اور چونکہ اس زمانے میں نہر سویز موجود نہ تھی۔ بحر احمر سے بحر روم تک پورا علاقہ کھلا ہوا تھا مگر اس علاقے کے تمام راستوں پر فوجی چھاؤنیاں تھیں جن سے بخیریت نہیں گزرا جا سکتا تھا اس لئے حضرت موسیٰ نے بحر احمر کی طرف جانے والا راستہ اختیار کیا۔ غالباً ان کا خیال یہ تھا کہ سمندر کے کنارے کنارے چل کر جزیرہ نمائے سینا کی طرف نکل جائیں لیکن ادھر سے فرعون لشکر عظیم لے کر تعاقب کرتا ہوا آ گیا۔۔ اس موقع پر آ پہنچا جبکہ یہ قافلہ ابھی سمندر کے ساحل ہی پر تھا۔ سورۃ شعراء میں بیان ہوا ہے کہ مہاجرین کا قافلہ لشکر فرعون اور سمندر کے درمیان بالکل گھر چکا تھا عین اس وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو حکم دیا کہ "اضرب بعصاک البحر" اپنا عصا سمندر پر مار، "فانفلق فکان کل فرق کالطود العظیم" فوراً سمندر پھٹ گیا اور اس کا ہر ٹکڑا ایک بڑے ٹیلے کی طرح کھڑا ہو گیا اور بیچ میں صرف یہی نہیں کہ قافلے کے گزرنے کا راستہ نکل آیا بلکہ بیچ کا حصہ قرآنی اشارات کے مطابق خشک ہو کر سوکھی سڑک کی طرح بن گیا۔

(یہودیت اور نصرانیت۔ مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی: صفحہ ۴۵)

اس سڑک سے اسرائیل باذن الٰہی صحیح سالم گزر گئے۔ فرعون اور اسکے لشکر انکے پیچھے چلے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں دریا میں ڈبو دیا۔

یہودی روایت کے مطابق بنی اسرائیل کی مصر میں قیام کی مدت چار سو تیس سال تھی (خروج ۱۲/۴۰)۔ اور مصر میں داخلے کے وقت انکی تعداد ۷۰ اور خروج کے وقت انکے قابل جنگ مردوں کی تعداد بنو لاوی کو چھوڑ کر ۶۰۳۵۵۰ تھی (گنتی ۱/۴۷) اسکے معنی یہ ہیں کہ عورت، مرد، بچے سب ملا کر وہ کم از کم ۲۰ لاکھ ہوں گے۔ یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹوں اور پوتوں سمیت مصر میں داخل ہوئے تھے آپ کے پوتے "قہات بن لاوی" کی عمر اس وقت سات سال تھی پھر مصر سے خروج تک صرف دو نسلیں پیدا ہوئیں، نسل عمران جو موسیٰ علیہ السلام کے والد ہیں اور نسل موسیٰ و ہارون۔

یہ بات کسی حساب سے قرین قیاس نہیں معلوم ہوتی کہ ساڑھے چار سو سال میں ستر آدمیوں کی اولاد تعداد کے لحاظ سے اس حد تک پہنچ جائے، اسی لئے عہد نامہ قدیم کے ریسرچ اسکالر اس کو بنیاد بنا کر توریت پر شدید نقد کرتے ہیں؛ خود "دائرۃ المعارف البریطانیہ" کے کاتب نے اعتراف کیا ہے کہ انکی تعداد پندرہ ہزار سے زیادہ نہیں رہی ہوگی۔ (الیہودیۃ والمسیحیۃ۔ ڈاکٹر محمد ضیاء الرحمٰن اعظمی: ص ۳۰)

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی اس اشکال کا جواب دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بنو اسرائیل کے قدم مصر میں عہد یوسفی میں خوب جم گئے تھے اور پھر آپ کے بعد چار پانچ صدیوں تک ملک اقتدار انہی لوگوں کے ہاتھ میں رہا، اس دوران میں یقیناً انہوں نے مصر میں اسلام کی خوب تبلیغ کی ہوگی۔ اہل مصر میں سے جو لوگ اسلام لائے ہوں گے ان کا مذہب ہی نہیں انکا تمدن اور

پورا طریق زندگی غیر مسلم مصریوں سے الگ اور بنی اسرائیل سے ہم رنگ ہوگیا ہوگا۔ مصریوں نے ان سب کو اسی طرح اجنبی ٹھہرایا ہوگا جس طرح ہندوستان میں ہندوؤں نے ہندوستانی مسلمانوں کو ٹھہرایا ان کے اوپر اسرائیلی کا لفظ اسی طرح چسپاں کر دیا ہوگا جس طرح غیر عرب مسلمانوں پر "محمڈن" کا لفظ چسپاں کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب مصر پرستی کا طوفان اٹھا تو مظالم صرف بنی اسرائیل پر ہی نہیں ہوئے بلکہ مصری مسلمان بھی انکے ساتھ یکساں لپیٹ لئے گئے اور جب بنی اسرائیل نے ملک چھوڑا تو مصری مسلمان بھی انکے ساتھ نکلے اور ان سب کا شمار اسرائیلیوں ہی میں ہونے لگا۔

مزید لکھتے ہیں: "ہمارے اس قیاس کی تائید بائیبل کے متعدد اشارات سے ہوتی ہے مثال کے طور پر "خروج" میں اس کا تذکرہ ہے کہ اسرائیلیوں کے ساتھ ایک ملی جلی گروہ بھی گئی (۱۲/۳۸) اسی طرح گنتی میں ہے "جو ملی جلی بھیڑ ان لوگوں میں تھی وہ طرح طرح کے حرص کرنے لگی" (۱۱/۴)۔ (تفہیم القرآن ج ۳ سورۃ مریم حاشیہ: ۱۷)

لیکن مولانا محترم کے اس جواب پر اشکال وارد ہوتا ہے کہ:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے مصر سے خروج کے وقت انکی تعداد کے سلسلہ میں فرعون کے قول کی حکایت ان الفاظ میں کی ہے "اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيْلُوْنَ" (سورۃ الشعراء: ۵۴) یہ کچھ مٹھی بھر لوگ ہیں۔ کھلی ہوئی بات ہے کہ لاکھوں کی تعداد میں جو لوگ ہوں ان کے لئے یہ جملہ کسی طرح موزوں و مناسب نہیں ہوسکتا۔ قرآن کے اس قول کی تائید اخبار الایام الاول کے اس بیان سے بھی ہوتی ہے کہ "یاد کرو وہ وقت جب تم تعداد کے اعتبار سے بہت ہی کم اور مصر میں پردیسی کی زندگی گزار رہے تھے" (باب ۱۶/۱۹)

۲۔ کیا یہ ممکن ہے کہ بیس لاکھ افراد جن میں بچے بوڑھے، عورتیں سب شامل

ہوں ایک ہی رات میں حرکت کرسکیں جبکہ قرآن صراحۃً بیان کرتا ہے کہ ان کا مصر سے خروج راتوں رات ہوا تھا۔ (دیکھئے: سورۃ الشعراء: ۵۲)

قرآن کریم اور یہود کی مقدس کتابوں کے مطالعہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ بنی اسرائیل کی اکثریت موسیٰ علیہ السلام پر حقیقی ایمان نہیں لائی تھی بلکہ ایک قائد اور لیڈر کی حیثیت سے وہ ان کا اتباع کر رہے تھے اس امید پر کہ شاید انکی قیادت میں مصریوں کی غلامی سے انہیں نجات مل سکے۔ اور فرعون کی غرقابی جیسی عظیم خدائی نشانی کے فوراً بعد گئو سالہ پرستی اور کنعانیوں سے جہاد سے انکار اس امر کی دلیل ہے۔ چنانچہ خود توریت کے سفر خروج میں یہ بات درج ہے کہ صحرائے سینا میں پہنچنے کے بعد انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر یہ اتہام لگایا کہ وہ انہیں اس صحراء میں ضائع کرنا چاہ رہے ہیں (باب ۱۶/۳-۴)

قرآن کریم میں ہے: "وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ" (سورۃ البقرۃ: ۵۵)

بنو اسرائیل کے کنعانیوں سے جہاد کرنے سے انکار اور موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اس رائے "فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ" کی تجویز کے بعد بنو اسرائیل پر چالیس سال کے لئے ارض موعود میں داخلہ حرام قرار دے دیا گیا۔ ان چالیس سالوں میں موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام اور آپکے عہد کی پوری نسل سوائے یوشع بن نون رحمۃ اللہ علیہ اور کالب بن یوفنا کے فوت ہوگئی۔

بنو اسرائیل کا فلسطین دخول

موسیٰ علیہ السلام کے انتقال کے بعد یوشع بن نون نے بنو اسرائیل کی قیادت کی زمام سنبھالی۔ آپ کی قیادت میں بنو اسرائیل فلسطین میں نہر

اردن کی جانب سے داخل ہوئے، اور سب سے پہلے "عای" کا شہر قبضہ میں آیا۔ (یشوع باب ۸/۲۶-۲۹) اور سات سال کے کم عرصہ میں انہوں نے اس علاقہ میں چھوٹی چھوٹی تقریباً ۳۱ بادشاہتوں کا خاتمہ کیا۔ البتہ غزہ اور یافا کے حصہ پر مستحکم و مضبوط قلعوں اور فلسطینیوں کے جدید آلات حرب سے مسلح ہونے کی وجہ سے آپ نے حملہ نہیں کیا۔ ایک سو دس سال کی عمر میں آپ کا انتقال ہوا اور تخم ملک میں دفن کئے گئے۔ (دیکھئے قضاۃ باب ۲/۸-۹)

غزل

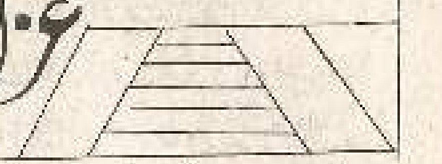

شفیع اشرف خاں آزادی

سچ نہیں ہے جو ہر کسی نے کہا
تھا وہی ہے جو آپ ہی نے کہا

دائمی رتبۂ شہادت ہے
سرفروشوں کی زندگی نے کہا

بے دھڑک قتل عام جاری ہے
خوں میں ڈوبی گلی گلی نے کہا

ختم ہے بہار کا موسم
جاتے پھولوں کی کیا ہنسی نے کہا

آگہی سے دلی مدارت ہے
ہوشمندوں سے بےخودی نے کہا

زندہ رہنے کا حوصلہ رکھئے
آدمی سے یہ زندگی نے کہا

زیست آب رواں کی برکت ہے
منجمد زیست سے ندی نے کہا

تیرگی کفر کی نشانی ہے
شمع وحدت کی روشنی نے کہا

آدمی آنسوؤں میں ڈوبا ہے
جانے کیا راز زندگی نے کہا

استشراق

ایک مختصر تعارف

پہلی قسط

ابوادھم فلاحی

تعریف

استشراق اس فکری طوفان کو کہتے ہیں جو مشرق وسطیٰ کے تہذیب و تمدن، مذہب و تاریخ اور زبان و ادب کے عمیق اور تحقیقی مطالعہ کے دوش پر مبنی ہو، مغربیت اور اسلامیت کی موجودہ کشمکش، اسی فکری طوفان کا نتیجہ ہے کہ اس نے عالم اسلام کی جو تصویر مغرب کے سامنے پیش کی وہ خصوصیت سے اسی انداز کی تھی۔

تاسیس

استشراق کے ابتدائی مرحلہ کا تعین ایک مشکل امر ہے۔ بعض محققین کے نزدیک اس کا آغاز اندلس میں اموی خلافت کے عہد سے ہوتا ہے جبکہ بعض دیگر محققین اس کے آغاز کا رشتہ صلیبی ادوار سے جوڑتے ہیں، البتہ استشراق (ہوتی زاویے خصوصیات) کا آغاز ۱۳۱۲ء میں ویانا کی اس قرارداد سے ہوتا ہے جس میں یورپ کی مختلف یونیورسٹیوں میں عربی زبان و ادب کے شعبے قائم کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

استشراق کے مذکورہ مفہوم کے ظہور سے پہلے جن شخصیتوں نے عربی زبان و ادب اور طب اسلامی کی جانب خصوصی توجہ دی وہ درج ذیل ہیں۔

۱۔ جربرٹ ڈی یورالک (۹۹۹ء - ۱۰۰۳ء) یہ ایک مشہور راہب تھے انہوں نے حصول علم کی خاطر اندلس کا سفر کیا اور واپسی کے بعد فرانس کے کنیسہ میں پوپ اعظم کے منصب پر فائز ہوئے۔

۲۔ GERARD DE GREMONA (۱۱۱۴ء - ۱۱۸۷ء) یہ اٹلی کے

باشندہ تھے انہوں نے مشرقی علوم کی تحصیل کیلئے طیطلہ کا سفر کیا۔ اور فن طب اور فلکیات وغیرہ میں تقریباً ستاسی کتابوں کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔

۳۔ پطرس المکرم۔ انہوں نے اسلام کے سلسلہ میں تفصیلی معلومات کیلئے مترجمین کی ایک جماعت تشکیل دی۔ اور ۱۱۴۳ء میں قرآن کریم کے لاطینی زبان میں کئے گئے سب سے پہلے ترجمہ میں اسکے مترجم "رابرٹ" کی آپ نے کافی مدد کی۔

۴۔ یوحنا الاشبیلی۔ بارہویں صدی کے نصف میں آپ منظر عام پر آئے اور علم نجوم کو آپ نے اپنی تحقیقات کا موضوع بنایا اور ابو معشر بلخی کی چار کتابیں عربی زبان میں منتقل کیں۔

۵۔ روجر بیکن، آکسفورڈ میں ابتدائی تعلیم کے بعد، پیرس یونیورسٹی سے عالم ماورائے محسوسات کے موضوع پر ڈاکٹریٹ کی ڈگری حاصل کی، اور ۱۲۵۱ء میں عربی کتاب "مرآۃ الکیمیاء" کا لاطینی زبان میں ترجمہ کیا۔

استشراق کے مقاصد

استشراق کے بنیادی اہم مقاصد میں سب سے اہم مقصد دین اسلام کی پاکیزگی اور مقبولیت کو مخدوش کرنا ہے جس کو مختصراً درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

الف:۔ **دینی مقصد:** ۱۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت میں شک پیدا کرنا اور یہ باور کرانا کہ احادیث نبویہ ابتدائی تین صدیوں کے مسلمانوں کی وضع کردہ ہیں۔

۲۔ قرآن کریم کے منزل من اللہ ہونے میں شک پیدا کرنا اور اسکے مشمولات ومحتویات پر اعتراض کرنا۔

۳۔ فقہ اسلامی کی اہمیت اور قدر وقیمت کو گھٹانے کیلئے فقہ رومانی سے اسے ماخوذ قرار دینا۔

۴۔ عربی زبان وادب کی تحقیر کرنا اور اس ترقی یافتہ دور کا ساتھ دینے کی صلاحیت واہلیت سے اسے قاصر قرار دینا۔

۵۔ اسلام کو یہودیت اور نصرانیت سے ماخوذ ثابت کرنے کی کوشش کرنا۔

۶۔ مسلمانوں کو عیسائیت قبول کرنے پر آمادہ کرنا۔

۷۔ اپنے افکار ونظریات کی تائید میں موضوع اور ضعیف روایات کا سہارا لینا۔

ب:۔ **معاشی مقصد:** ۱۔ انیسویں اور بیسویں صدی میں یورپ کی مختلف حکومتیں اور بڑی بڑی کمپنیاں شرق اسلامی کے سلسلہ میں تحقیق کرنے والے ریسرچ اسکالروں کو کافی مالی امداد دیتی تھیں، تاکہ عالم اسلام کے سلسلہ میں تفصیلی معلومات حاصل ہوسکیں اور اسکو تجارتی منڈی کے طور پر استعمال کیا جاسکے یہ چیز عالم اسلام پر استعمار کے غلبہ سے ماقبل ادوار میں کافی نمایاں تھی۔

ج:۔ **سیاسی مقصد:** استشراق کا ایک اہم ترین مقصد مسلمانوں کے باہمی الفت ومحبت کے جذبات واحساسات کو ختم کرنا بھی ہے تاکہ ان پر اپنا غلبہ مستحکم ومضبوط کیا جاسکے۔ اسکے لئے انہوں نے مختلف علاقوں میں پائے جانے والے لہجات اور عادات واطوار کے مطالعہ کی جانب کافی توجہ دی اور اپنی نوآبادیات میں سرکاری افسروں کو وہاں کی زبان، تہذیب وتمدن اور مذہب سیکھنے کی جانب رغبت دلائی تاکہ وہ یہ جان سکیں کہ اس علاقہ میں کس انداز سے مستحکم حکومت کی جاسکتی ہے۔

د:۔ **علمی مقصد:** بعض مستشرقین نے حقیقی معرفت کی غرض سے بھی اسلامی علوم وفنون کی تحقیق کی ہے۔ چنانچہ ان میں سے بعض کو اللہ رب العزت نے دین اسلام قبول کرنے کی توفیق سے بھی نوازا، جن میں "موسیو اتین دینیہ" قابل ذکر ہیں۔ آپ ایک فرانسیسی مصور تھے اور آپکی فنی عبقریت نے ہی الٰہی حقائق تک پہونچایا۔ آپ نے ۱۹۲۷ء میں اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ اور مستقل

طور پر جزائر میں سکونت اختیار کر لی۔ آپ نے اپنے مذاہب عالم کے تاریخی، نفسیاتی، اور روحانی جائزہ میں اسلام کی بالکل صحیح اور حسین تصویر پیش کی ہے۔ آپ کی اس تصنیف کا نام "اشعۃ خاصۃ بنور الایمان" ہے۔

اہم کانفرنسیں اور علمی اکیڈیمیاں

مستشرقین کی سب سے پہلی عالمی کانفرنس پیرس میں ۱۸۷۳ء میں منعقد ہوئی۔ اسکے بعد مسلسل عالمی کانفرنسیں ہوتی رہیں جنکی تعداد تیس سے زائد ہو چکی ہے۔ علاقائی تنظیمیں اور کانفرنسیں انکے علاوہ ہیں۔ ان کانفرنسوں میں سیکڑوں مستشرق دانشور شریک ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر صرف آکسفورڈ کانفرنس میں، پچیس ملکوں، اسی یونیورسٹیوں اور ساٹھ علمی اکیڈیمیوں سے تقریباً نوسو دانشوروں نے شرکت کی تھی۔

مستشرقین نے اپنے کاموں کو منظم کرنے کیلئے متعدد علمی اکیڈیمیاں قائم کر رکھی ہیں۔ قابل ذکر اکیڈیمیاں درج ذیل ہیں۔

"الجمعیۃ الآسویۃ" اس کی بنیاد پیرس میں ۱۸۲۲ء میں پڑی "الجمعیۃ الملکیۃ الآسویۃ" اس کی بنیاد ۱۸۲۳ء میں برطانیہ اور آئرلینڈ میں رکھی گئی "الجمعیۃ الشرقیۃ الامریکیۃ" اس کی بنیاد ۱۸۴۲ء میں اور "الجمعیۃ الشرقیۃ الالمانیۃ" کی بنیاد ۱۸۴۵ء میں رکھی گئی۔

خطرناک استشراقی افکار

اسلام کے متعلق مستشرقین کے خطرناک افکار ونظریات درج ذیل ہیں۔

۱۔ جورج سیل نے ۱۷۳۶ء میں قرآن کریم کا ترجمہ لاطینی زبان میں کیا اور اسکے مقدمہ میں یہ بات بصراحت درج کی کہ قرآن کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تصنیف ہے جس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں۔

۲۔ رشیادبل کا خیال ہے کہ قرآن کریم مقدس عہد نامہ سے ماخوذ ہے بالخصوص عہد نامہ قدیم ہے۔

۳۔ ڈوزی کا خیال ہے کہ قرآن کریم کی زبان حد درجہ سخیف ہے اور مضامین بار بار تکرار کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں جس سے قاری کبھی کبھی اکتا اٹھتا ہے۔

۴۔ برطانوی نوآبادیات کے وزیر اوسبی غور نے برطانیہ کے وزیر کے پاس ۱۹۳۸ء میں جو خط لکھا اس میں یہ مضمون تھا کہ:

"دوسری عالمی جنگ نے ہمیں یہ سبق سکھلایا ہے کہ اسلامی اتحاد نہ صرف برطانیہ تک محدود بلکہ فرانس کے لئے بھی خطرہ ہے اور یہ خوشی کی بات ہے کہ خلافت اسلامیہ کا خاتمہ ہو گیا اور میری خواہش ہے کاش دوبارہ اس کا احیاء نہ ہو۔"

۵۔ شیلدون آموس کے نزدیک فقہ اسلامی درحقیقت فقہ رومانی سے ماخوذ ہے۔ دونوں میں فرق صرف ظروف واحوال کے اعتبار سے ہے۔

ان خطرناک افکار کے باوجود اس میں کوئی شک نہیں کہ مستشرقین نے بے شمار اسلامی کتابوں کی تحقیق وطبع میں کافی جدوجہد کی ہے اور اس تحقیق میں انکی اکثریت نے تحقیق کے علمی انداز واسلوب کو اختیار کیا ہے۔ لہٰذا ان کی تصنیفات میں موجود خیر وبھلائی سے فائدہ اٹھانا عین حکمت کا تقاضا ہے۔

جامعہ کے لیل و نہار

ادارہ

مکتبۃ الصدیق کی دوسری منزل روبہ تکمیل

لائبریری کی اہمیت وافادیت سے کون انکار کرسکتا ہے کہ ان کا قیام ماضی کے دانشوروں اور مفکرین کی آراء وافکار کو محفوظ کرنے نیز انکے تجربات ومشاہدات سے استفادہ کا موقعہ فراہم کرنے کا نہایت ہی اہم ذریعہ ہے۔ جامعہ میں اگرچہ لائبریری روز اول سے قائم ہے لیکن طلبہ وطالبات کی کثرت تعداد کی وجہ سے اس سے کما حقہ فائدہ اٹھانا مشکل ہوگیا تھا جس کا احساس ذمہ داران جامعہ کو شدید طور پر رہا لیکن مالی مشکلات اس احساس کو عملی جامہ پہنانے میں مانع تھیں اللہ تعالی نے اپنے فضل وکرم سے بعض اہل خیر حضرات کو اسکی مالیات کی فراہمی کی توفیق بخشی چنانچہ انکے تعاون سے مکتبۃ الصدیق کی بنیاد رکھی گئی تھی جس کی پہلی منزل مکمل ہوچکی ہے اور دوسری منزل کا کام تیزی سے جاری ہے۔

ڈاکٹر محمد نعیم فلاحی علمی ترقی کی راہ پر

یہ خبر فلاحی برادران کے لئے بڑی حوصلہ افزا ہوگی کہ ڈاکٹر محمد نعیم فلاحی (راجستھان) کی تقرری اجمیر یونیورسٹی میں دسمبر کے اواخر میں بحیثیت لیکچرار کے عمل میں آئی ہے دعا ہے اللہ رب العزت موصوف کو ایک داعی کی حیثیت سے اپنی تدریسی ذمہ داریوں کو ادا کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

نئے داخلے

جامعۃ الفلاح اب علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں رہا اس کی بہتر اور عمدہ تعلیمی وتربیتی کارکردگی کے پیش نظر ہی ہر سال ہزاروں تشنگان علم کی درخواستیں داخلہ کے لئے آتی ہیں۔ لیکن دارالاقامہ میں عدم گنجائش کے سبب سیکڑوں درخواستوں کو واپس کرنے کیلئے جامعہ کو معذرت کرنی پڑتی ہے۔

جامعہ کے مختلف شعبہ جات میں ۱۰۱۴ نئے داخلے ہوئے ہیں جو مدرسہ کی اعلی کارکردگی، ٹھوس تعلیم اور اساتذہ ومنتظمین کی انتھک محنت اور توجہ کا غماز ہے۔

نئی تقرریاں

فریضۂ تدریس انبیاء کرام کی بعثت کے اہم ترین مقاصد میں سے ہے۔ اس فریضہ کی ادائیگی کی توفیق اللہ رب العزت انھیں کو دیتے ہیں جن کے ساتھ خیر وبھلائی کا معاملہ کرنا چاہتے ہیں امسال جن نئے لوگوں کو اس فریضہ کی ادائیگی کی توفیق ملی ان میں سے بعض کا تذکرہ پچھلے شمارہ میں آچکا ہے۔ اس سعادت سے بہرہ واندوز ہونے والے باقی ماندہ افراد کا مختصر تعارف ہدیہ ناظرین ہے۔ جناب مولانا شاہد الاسلام صاحب فلاحی (بریا گنج) اور محترم اختر علی صاحب فلاحی ساکن نصیر پور کی تقرری بحیثیت استاذ شعبہ ابتدائی (طلبہ) اور محترمہ نیلو فرحان کی تقرری شعبہ ثانوی (کلیۃ البنات) میں بحیثیت استاد حساب وسائنس کے ہوئی ہے۔ نیز انتظامیہ کے اس فیصلہ کے بموجب کہ ہر سال دو متفوق بچوں کی تقرری بحیثیت استاد معید کے کی جائے گی۔ محترم ضمیر الحسن فلاحی (بدایوں) کی تقرری شعبہ اعلی میں بحیثیت استاد معاون کے عمل میں آئی ہے۔

اللہ رب العزت ان تمام ہی اساتذہ کرام کو اپنی ذمہ داریاں بحسن وخوبی انجام دینے کی توفیق عطا فرمائے۔

۹۶-۹۷ء کے ممتاز طلبہ

اس دور قحط الرجال میں جبکہ صلاحیتوں کے فقدان اور تحقیق و مطالعہ سے عدم دلچسپی کا احساس عموماً تمام مدارس اسلامیہ میں شدت سے پایا جاتا ہے۔ یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ ہمارے طلبہ اپنی کوششوں اور علمی انہماک کے سبب دینی علوم میں امتیازی نمبرات سے کامیابی حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ ان کو مزید توفیق بخشے کہ وہ دینی واسلامی موضوعات پر اپنے مطالعہ و تحقیق سے مجتہدانہ مقام حاصل کرسکیں۔ امسال جن طلبہ نے امتیازی نمبرات حاصل کرکے ہماری آنکھوں کو ٹھنڈک بخشی انکے اسماء یہ ہیں۔

عربی ہفتم
جنید احمد ممتاز I
محمد طارق " II
عبدالباسط " III

عربی ششم
رئیس احمد ممتاز I
نبیل احمد I II
خورشید عالم I III

عربی پنجم
عبدالعزیز فارس ممتاز I
نیاز احمد " II
اشتیاق عالم " III

عربی چہارم
مسعود احمد ممتاز I
بشیر احمد ملک ممتاز II
راحت حسین " III

عربی سوم
محمد امین پرے ممتاز I
معراج احمد " II
اطہر علی " III

عربی دوم
شان محمد ممتاز I
عبدالماجد " II
وسیم احمد " III

عربی اول
صلاح الدین ممتاز I (جامعہ ٹاپ)
جاوید احمد میر II
فیروز عالم نیپال۔ III

شعبۂ ثانوی

درجہ ہشتم
افضل حسین I
محمد عامر II
نور عالم III

درجہ ہفتم
ریحان الحق I
مختار احمد II
جاوید عالم III

درجہ ششم
راشد ریاض I
تنزیل الرحمٰن II
رضوان شاہد III

شعبہ ابتدائی

درجہ پنجم
محبوب علی ممتاز I
شاہ عالم نورالدین " II
رشید احمد امین III

درجہ چہارم
محمد شاہد جمیل I
شہزاد احمد II
شاہ نواز III

درجہ سوم
ابو عبیدہ ممتاز I
محمد افضل عزیز I II
شہباز عالم I III
پرویز احمد " III

درجہ دوم
ابوبکر شاہ محمد ممتاز I
ارشد علی اختر " II
ابو عبید I III

درجہ اول
رحمت اللہ ممتاز I
مطیع الرحمٰن " II
محمد ہاشم " III

تعطیل عیدالاضحیٰ

عیدالاضحیٰ کی تعطیل ۷ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۱۵ اپریل ۱۹۹۷ء سے شروع ہوکر ۱۳ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۱ اپریل ۱۹۹۷ء کو ختم ہوگی ۱۴ ذی الحجہ ۱۴۱۷ھ مطابق ۲۲ اپریل ۱۹۹۷ء کو حاضری لازمی ہوگی۔

روداد انجمن

محمد فیاض خاں فلاحی

علی گڑھ یونٹ

۲۹ شوال ۱۴۳۱ھ کو بروز اتوار انجمن طلبۂ قدیم علی گڑھ یونٹ کے فلاحی برادران کی ایک تنظیمی نشست منعقد ہوئی۔ نشست کا آغاز برادر رفیع الدین فلاحی کی پرسوز تلاوت قرآن سے ہوا۔ اس کے بعد تمام ہی موجود شرکاء نے اپنا تعارف پیش کیا۔ تعارف کے بعد برادر احسان اللہ فہد فلاحی نے نووارد فلاحیوں کو استقبالیہ پیش کیا اور بانیٔ انجمن کے مرکزی نصب العین "قرآن وسنت میں گہری بصیرت اور اقامت دین" کی طرف توجہ دلائی۔ آپ کی تذکیر کے بعد میقات رواں کے لئے درج ذیل نئے ذمہ داروں کا انتخاب عمل میں آیا۔

صدر انجمن طلبۂ قدیم علی گڑھ یونٹ	برادر محی الدین ساجد فلاحی
سکریٹری	محمد فیاض خاں فلاحی
خازن	برادر شرف الدین فلاحی
ذمہ دار حیات نو	برادر عرفان احمد فلاحی

نشست میں فلاحیوں کی ایک بڑی تعداد شریک تھی۔ پروگرام کے اختتام پر ناشتہ کا انتظام تھا۔ جس میں اپنائیت والفت کا ماحول اور جامعہ کی یاد اور اس سے وابستگی کا حسین منظر ہر سو عام تھا۔